علمی • اَدبی • تحقیقی • اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

چیف ایڈیٹر ——— عبدالمالک مجاہد

جلد:20 | شمارہ:7 | جولائی 2011ء | شعبان 1432ھ

ماہِ شعبان

اس کے اہم واقعات وحوادث

اور شبِ برأت

دکان یا مکان کی

پگڑی / سلامی

شریعت کی نظر میں



سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

ایک عالم | ایک فقیہ | ایک گورنر

چیف ایڈیٹر کے قلم سے



کھمبیاں (مشرومز)

برسات کے موسم میں قدرت کا انمول تحفہ



غیروں کی مدد سے کبھی ساحل نہیں ملتا

پاکستان کی سیاسی صورت حال کا منصفانہ جائزہ

قادیانیوں کا دیرینہ مطالبہ پورا ہوگیا

مگر وہ پریشان ہوگئے ....

آخر کیوں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی ○ بانی مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی

علمی • ادبی • تحقیقی • اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور

چیف ایڈیٹر عبدالمالک مجاہد

جلد:20 شمارہ:7، جولائی 2011ء شعبان 1432ھ



وُسعتِ دَامَاں

اداریہ	جس طبقے کو کمزور سمجھا جارہا تھا!		3
تجلیاتِ قرآن	قرآنی امثلہ اور ان کی نکتہ آفرینیاں	مولانا محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ	4
انوارِ حدیث	مرنے کے بعد بھی.....ثواب ہی ثواب	عبداللہ یوسف ذہبی	7
اشاعتِ حدیث	غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث	ابونس	10
صیانتِ حدیث	مشہور مگر ضعیف یا موضوع روایات	نعمان فاروقی	11
عقائد	عقیدہ اور سلف صالحین	ساجد الرحمٰن بہاولپوری	12
افتاء وارشاد	آپ کے سوالات اور ان کا حل	ابوالحسن حافظ عبدالخالق	19
احکام و مسائل	ماہِ شعبان اور شب براءت	حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ	21
اخلاقیات	غیبت ایک سنگین جرم	چوہدری محمد یٰسین ظفر	26
جدید فقہی مسائل	دکان یا مکان کی ''پگڑی'' کا شرعی حکم؟	حافظ عبدالسمیع	28
مکتوب الریاض	سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	عبدالمالک مجاہد	35
طب و سائنس	کھمبیاں (مشروم)	ڈاکٹر طارق ریاض	45
جغرافیہ	دنیا کا جغرافیہ دیکھیے!	محسن فارانی	47
تاریخ	ماہِ شعبان تاریخی واقعات کے آئینے میں	محمد ارشد کمال	50
تعاقب	قادیانیوں کا دیرینہ مطالبہ	محمد متین خالد	53
سیاسیات	غیروں کی مدد سے کبھی ساحل نہیں ملتا!	حافظ رضوان عبداللہ	57
گوشۂ خواتین	آپ کا کچن	ام علی	59
گوشۂ خواتین	قدسیہ کی ڈائری	قدسیہ عنبریں	60
گوشۂ اطفال	اللہ وارث	ڈاکٹر طارق ریاض	61
گوشۂ اطفال	بچوں کا اخبار	کاشف بہزاد	63
حدیث کہانی	ندامت کے آنسو	ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر	64
طنز و مزاح	مسکراہٹیں	نوید اسلام صدیقی	66
واقعات و مشاہدات	دیس بدیس	ابوالفیصل	70
معلومات	اخبار جہاں	عادل حماد	71

ایگزیکٹو ایڈیٹر حافظ عبدالوحید ایڈیٹر محمد نعمان فاروقی سوہدروی

مجلس ادارت

مولانا ارشاد الحق اثری — پروفیسر محمد یحییٰ — حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف — حافظ مسعود عالم — مولانا محمد خالد سیف
مولانا محمد اقبال کیلانی — حافظ محمد شریف — ڈاکٹر حبیب الرحمن کیلانی

مجلس مشاورت

چوہدری محمد یٰسین ظفر — ڈاکٹر محمد حماد لکھوی — انجینئر کاشف شہزاد باجوہ
حبیب الرحمٰن — محمد ایوب سپرا — ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر
مولانا محمد عبدالجبار — محمد طارق شاہد — حافظ مطیع الرسول — عکاشہ مجاہد

مجلس نظامت

حافظ عبدالعظیم اسد — ڈاکٹر امان اللہ بھٹی — پروفیسر محمود الحسن بزمی
قمر الحمید فیصل — ملک شوکت علی — عبدالغفار مجاہد
حبیب کبریا — شیخ ارشد علی — محمد اعظم یٰسین — نجم المجید

مجلس معاونت

طارق جاوید عارفی — تنویر احمد — عمار فاروق سعیدی — مختار احمد ضیا
حافظ محمد ندیم — توقیر الحسن — حذیفہ نصیر گوندل — رانا یحییٰ فاروقی
علی حماد فاروق — حافظ حق نواز — محمد یوسف سلفی

قانونی مشیر ملک نور محمد سرفراز — ڈیزائننگ محمد صفت اللہ الٰہی (آرٹ ڈائریکٹر) ہارون الرشید
خطاطی اکرام الحق — کمپوزنگ ابوعفیفہ

خط کتابت دفتر ماہنامہ ضیائے حدیث دارالسلام، 36۔لوئر مال، لاہور
بینک اکاؤنٹ A/C Title: Monthly Zia-e-Hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd.
Session Court Branch Lahore.
Br. Code. 1317

ضیائے حدیث اپنے نام جاری کروانے اور نہ پہنچنے کی صورت میں
+92 42-37232400
0300-7071823
0323-4343069
ziaehadith1@yahoo.com

ناشر محمد ادریس فاروقی مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور
پرنٹر انوار فیض دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36۔لوئر مال، لاہور 042-37324034
Fax: 042 37354072

دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون سعودی عرب 100 ریال ۔ یورپی ممالک 30 یورو
قیمت فی شمارہ 35 روپے | سالانہ زرتعاون صرف -/400 روپے

گوشۂ نوا

محسن فارانی

حمد باری تعالیٰ

ربّ العالمین

بنائے اپنی حکمت سے زمین و آسمان تُو نے
دکھائے اپنی قدرت کے ہمیں کیا کیا نشان تُو نے

تری صنعت کے ڈھانچے میں ڈھلا ہے پیکرِ ہستی
سمویا اپنے ہاتھوں سے مزاجِ جسم و جاں تُو نے

نہیں موقوف خلّاقی تری اس ایک دُنیا پر
کیے ہیں ایسے ایسے سینکڑوں پیدا جہاں تُو نے

بہارِ عارضِ گُل سے لگا کر آگ گلشن میں
طیورِ صبح خواں کو کر دیا آتش بجاں تو نے

جوانی میں جسے بخشی دل آرائی و رعنائی
بڑھاپے میں اسی عارض پہ ڈالیں جُھرّیاں تُو نے

اثر تیری عطاؤں پر نہیں پڑتا خطاؤں کا
جسے پیدا کیا اس کو دیا ہے آب و ناں تُو نے

دیا اپنے کرم سے ریزہ مُورِ ناتواں کو بھی
لگائے گر سلیماں کے لیے نعمت کے خواں تُو نے

ترے دربار سے مجھ کو یہی انعام کیا کم ہے
کیا اپنی ستائش میں مجھے رطب اللّساں تُو نے

مولانا ظفر علی خاں

مشکل الفاظ

- موقوف: منحصر
- عارضِ گل: پھولوں کا رخسار یعنی رنگین پتیاں
- دل آرائی: دل لبھانا، دلربائی
- آتش بجاں: جس کی روح میں آگ یعنی محبت کی گرمی ہو
- مُور: چیونٹی
- رطب اللّسان: تر زبان، مدّاح

نعت رسولِ مقبول ﷺ

بہارِ باغِ رسالت

بہارِ باغِ رسالت کی آمد آمد ہے
خدائے پاک کی رحمت کے چھائے ہیں بادل

عرب سے اُٹھ کے زمانے پہ یہ گھٹا برسی
درخت سبز ہوئے ، پھوٹنے لگی کونپل

جہان و اہلِ جہاں کی پلٹ گئی کایا
کُھلا دریچۂ رحمت، کِھلے دلوں کے کنول

کرشمہ سنج محمد (ﷺ) ہوئے تو ٹوٹ گیا
طلسمِ نائلہ و ھبیت و نسر و لات و ھُبل

بجا زمانہ میں نقار خانہ وحدت کا
خدا کے نام سے گونجا سوادِ دشت و جبل

جہاں میں ملّتِ بیضاء کی روشنی پھیلی
نکال جس نے دیے ساری ظلمتوں کے بل

نبی (ﷺ) نے درسِ تمدّن دیا زمانے کو
بتایا رازِ اخوّت بشر کو پہلے پہل

عطا ہوئی ہمیں دنیا بھی دین کے ہمراہ
لگے تھے فقر کی ڈالی میں سلطنت کے پھل

مولانا ظفر علی خاں

مشکل الفاظ

- کایا پلٹنا: حالت بدل جانا
- کایا: شکل، ماہیت
- کرشمہ سنج: اعجاز پیش کرنے والا



جس طبقے کو کمزور سمجھا جا رہا تھا!

گزشتہ دنوں پیس لائز فورم کے ایک پروگرام میں وکلاء اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ ان میں سے اکثریت کی داڑھی نہیں تھی مگر ان کے جذبات ''داڑھی والوں'' سے ملتے جلتے تھے۔ ویسے تو اب عوام باشعور ہو رہے ہیں اور اپنے دشمن کو پہچاننے لگے ہیں۔ کہیں بھی بحث چھڑ جائے تو بہت سے بظاہر ''باؤ'' دین کے حق میں اور دین مخالف طاقتوں اور لادین عناصر کے خلاف بات کرتے نظر آتے ہیں۔ دراصل دینداروں کو اس قدر بدنام کیا گیا ہے کہ اب کوئی دینداروں کی وضع قطع بنانے سے گھبراتا ہے مگر عالم کفر کی پالیسیوں اور ظلم وستم نے ہر باشعور مسلمان کو اپنے خلاف کر لیا ہے۔ اسی لیے تو سیاسی دنگل میں بھی لوگ اپنے مخالفین کو ''مولوی'' کا طعنہ دینے لگے ہیں۔ مگر عالمی سطح پر بدلتا ہوا منظر نامہ دین پسند طبقے کے حق میں نظر آ رہا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہر طبقے میں دینی سوچ کے حامل افراد استعماری قوتوں اور عالمی میڈیا کے منہ پر طمانچہ ہیں جس کا سارا زور اس بات پر لگتا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے دین کو کھرچ کر نکال دیا جائے اور پیارے نبی ﷺ کی محبت واطاعت کے جذبات محو کر دیے جائیں ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد (ﷺ) اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے عجمی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

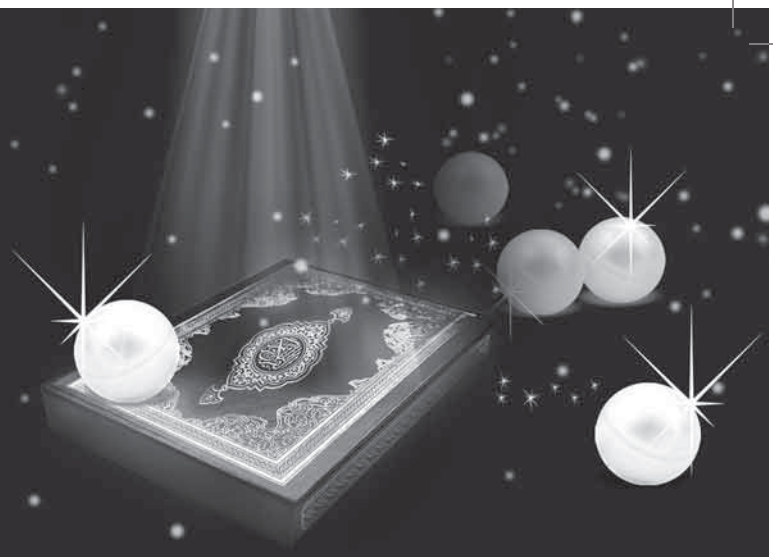
عالم کفر کی تمام تر پالیسیوں کا ایجنڈا اس سے مختلف نہیں۔ مگر کیا ضروری ہے کہ ان کی ہر پالیسی کامیاب ہو۔ ایک بہتر تدبیر کرنے والی ذات عرش پر بھی مستوی ہے۔ اس کی تدبیر غالب ہو کر رہتی ہے اگرچہ حالات کا دھارا کوئی اور رخ اختیا کیے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ قصص کے آغاز ہی میں ایک اصول بیان فرمایا ہے جس میں دین پسند لوگوں کے لیے بہت بڑی نوید ہے۔ اور اس کے ساتھ وہ آیات دینی طاقتوں کو کمزور سمجھنے والے ''فرعونیوں'' کے لیے خطرے کی گھنٹی بھی ہیں۔ بغیر کسی تبصرے کے ان آیات کا متن اور ترجمہ قارئین کرام کے سامنے ہے:

﴿ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ○ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ○ ﴾

''بے شک فرعون نے زمین (مصر) میں سرکشی کی، اور اس نے اہل مصر کے کئی گروہ بنا دیے، ان میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو اس نے ضعیف جان کر دبا رکھا تھا، وہ ان کے بیٹے ذبح کرتا اور ان کی بیٹیاں زندہ رکھتا، بلاشبہ وہ فسادیوں میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جنھیں زمین میں ضعیف جان کر دبا لیا گیا تھا، اور انھیں پیشوا بنائیں، اور انھیں (ملک مصر کے) وارث بنائیں۔ اور (یہ کہ) ہم انھیں زمین (شام و فلسطین) میں اقتدار بخشیں، اور ہم فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ان (کمزور لوگوں کے ہاتھوں) سے وہ چیز دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔'' (القصص 28:4-6)

4

قرآنی امثلہ اور ان کی نکتہ آفرینیاں



مولانا محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ o تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاکیزہ کلمے کی مثال کس طرح بیان فرمائی ہے؟ مثل ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنیاں آسمان میں ہیں۔ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

(ابراھیم14:24,25)

''تفسیر احسن البیان'' میں ہے کہ مومن کی مثال اس درخت کی طرح ہے جو گرمی ہو یا سردی، ہر وقت پھل دیتا ہے۔ اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ شب و روز کے لمحات میں ہر آن اور ہر گھڑی آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ کلمۃً طیّبۃً سے اسلام یا کلمہ لا الہ الا اللہ اور کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ سے کھجور کا درخت مراد ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھیے:

(صحیح البخاری: 72، وصحیح مسلم:2811)

''الضوءالمنیر'' میں ہے:

''یہ مومن کی مثال ہے، اس سے ہمیشہ پاکیزہ کلام، نیک عمل سرزد ہوتا ہے جو اللہ کی طرف بڑھتا ہے، ربیع بن انس نے کہا: یہ بندۂ مومن ہے، اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے اس کے اخلاص و عبادات سے اس کی مثال دی گئی ہے۔ اس پاکیزہ درخت کی جڑیں زمین میں پیوست اور اس کا ذکر آسمان میں ہے۔ صاحبِ تفسیر فرماتے ہیں: ان دونوں اقوال میں کوئی اختلاف نہیں۔ مقصود بندۂ مومن کی مثال دینا ہے، کھجور کا درخت جب شجرۂ طیبہ ٹھہرا تو مومن مشبہ بھا ہوا جو اس سے بمطابق قاعدہ افضل ہے۔ اور سلف میں سے جنھوں نے کہا: یہ درخت جنت کا ہے، پس کھجور کا درخت جنت کا افضل درخت ہوا اور اسی طرح دیگر اسرار اور علوم و معارف جو اس کے لائق ہیں قابل لحاظ ہیں۔ ''الضوءالمنیر'' میں اور بھی بہت کچھ لکھا ہے، مثلاً: ''اور یہ بات بھی ہے کہ درخت کی جڑیں (رگیں) بھی ہوتی ہیں اور تنا، ٹہنیاں، شاخیں، پتے اور پھل پھول بھی، پس اسی طرح ایمان و اسلام کا درخت ہے۔ بات کو سمجھنے کے لیے مشبہ اور مشبہ بہ کو باہم مطابق کرنا چاہیے، اس کی رگیں علم و معرفت اور یقین ہے۔ تنا اخلاص ہے، اور اس کی شاخیں اعمال اور پھل اعمال صالحہ، آثار حمیدہ، اچھی صفات، پاکیزہ اخلاق اور نیکی و ہدایت کا راستہ اختیار کرنا اور پسندیدہ رہنمائی ہے۔ پس استدلال کیا جا سکتا ہے اس بات پر کہ درخت دل میں جما ہوا ہے اور ان امور مذکورہ سے اس کا ثبوت بہم پہنچتا ہے..... اور مسند امام احمد میں ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایمان دل میں یوں بوسیدہ ہو جاتا ہے جس طرح (جسم پر) لباس بوسیدہ ہو جاتا ہے، پس تم لوگ اپنے ایمان کی تجدید کیا کرو۔''

(الضوء المنیر: 596,595/3)

حضرۃ العلام فاضل امرتسری رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں: کلمۃً طیّبۃً سے مراد کلمہ توحید ''لا الہ الا اللہ'' ہے۔ اللہ کا قول ہے: ''بے شک مشرک نجس ہیں (اور شرک نجاست ہے۔)''

(التوبۃ 28:9) ثابتٌ کے معنی اندر راسخ ہونا ہے، یعنی کلمہ توحید صحیح معنی میں بندۂ مومن کے دل میں راسخ ہوتا ہے۔ اسے یہ بات کوئی نقصان نہیں پہنچاتی کہ کون اس کے نیچے ہے اور کون اس کے اوپر ہے۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''جن لوگوں نے اللہ کو رب مان لیا، پھر اس عقیدے پر استقامت اختیار کی، ان پر اللہ کی رحمت کے فرشتے لگاتار اترتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کسی خوف و غم کی مطلق ضرورت نہیں، اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے۔'' (حمٓ السجدۃ30:41)

اُكُلُها سے مراد ہے اس درخت کا پھل سدا

بہار رہتا ہے جیسا کہ اقبال رحمہ اللہ نے کہا

یہ کلمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں ، لا الہ الا اللّٰہ

اسی لیے مخلص، مُوحّد اپنی توحید و اخلاص کی بنا پر ہر وقت دعوت توحید دیتا رہتا ہے۔ اور بمطابق آیہ قرآنی، ایسے لوگ بھی ہیں کہ بیع و تجارت (خرید وفروخت) انھیں کسی ثانیے بھی یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔ ان کے اندر توحید و اخلاص کی قندیل ہے، ہر وقت اعضاء و جوارح سے اس کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ اور شیخ الفاضل رحمہ اللہ نے ایک حدیث قدسی کا، جو صحیح بخاری میں ہے، حوالہ بھی دیا ہے۔ جس کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ میرا بندہ ادائیگی نوافل کے ذریعے میرا تقرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے اس عبادت کی وجہ سے اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اسے اپنا پیارا بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں کہ جس سے وہ سنتا ہے۔ اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور ہاتھ بن جاتا ہوں کہ جس سے وہ پکڑتا ہے (یعنی اس کا اَنگ اَنگ میری مرضی کے تابع ہو جاتا ہے، (مگر افسوس اہل بدعت اور صوفیوں نے وحدت الوجود و شہود کا مسئلہ گھڑ کر اپنے مزعومہ بزرگوں کو اللہ کا حصہ بنا کر بہت سے لوگوں کو بہلا و پھسلا دیا ہے۔ إِنَّا لِلّٰهِ.....) لیکن اس شجرۂ طیّبہ کے ساتھ ہی شجرۂ خبیثہ کی بھی مثال دے دی تا کہ جو آدمی توحید کی عظمت، برکت اور طہارت کو دیکھے وہ اس کے ساتھ شرک کی ذلت، نقصان اور نجاست کو بھی دیکھے۔ اور فیصلہ کر لے کہ اپنے لیے کون سی راہ اختیار کرنی ہے۔

توحید والی طیّب راہ، یا شرک والی نجس (بے حد ناپاک راہ)۔ اللہ سب کو شجرۂ طیّبہ والی پاک صاف اور بابرکت راہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

''تفہیم القرآن'' میں اس مقام کی تفسیر میں جو لکھا ہے اس کا ما حاصل یہ ہے: کلمہ طیبہ کے لفظی معنی تو ''پاکیزہ بات'' کے ہیں۔ مگر اس سے مراد وہ قول حق اور عقیدہ صالحہ جو سراسر حقیقت اور راستی پر مبنی ہو۔ یہ عقیدہ قرآن مجید کی رو سے لازماً وہی ہو سکتا ہے، جس میں توحید کا اقرار، انبیاء، کتب آسمانی اور آخرت کا اقرار ہو۔ کیونکہ قرآن انھی امور کو بنیادی صداقتوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین سے لے کر آسمان تک چونکہ سارا نظام کائنات اسی حقیقت پر مبنی ہے جس کا اقرار ایک مومن اپنے کلمہ طیبہ میں کرتا ہے۔ اس لیے کسی گوشے میں بھی قانون فطرت اس سے نہیں ٹکراتا۔ کسی شے کی بھی اصل اور جبلّت اس سے اِبا نہیں کرتی۔ کہیں کوئی حقیقت اور صداقت اس سے متصادم نہیں ہوتی، اس لیے زمین اور اس کا پورا نظام اس سے تعاون کرتا ہے۔ آسمان اور اس کا پورا عالم اس کا خیر مقدم کرتا ہے، یعنی وہ ایسا بار آور اور نتیجہ خیز کلمہ ہے کہ جو شخص یا قوم اسے بنیاد بنا کر اپنی زندگی کا نظام اس پر تعبیر کرے اس کو ہر آن اس کے مفید نتائج حاصل ہوتے رہتے ہیں، وہ فکر میں سلجھاؤ، طبیعت میں سلامتی، مزاج میں اعتدال، سیرت میں مضبوطی ، اخلاق میں پاکیزگی، روح میں لطافت، جسم میں طہارت، برتاؤ میں خوشگواری، معاملات میں راست بازی، کلام میں صداقت شعاری، قول وقرار میں پختگی، معاشرت میں حسن سلوک، تہذیب میں فضیلت، تمدّن میں توازُن، معیشت میں عدل ومساوات، سیاست میں دیانت، جنگ میں شرافت، صلح میں خلوص اور عہد و پیمان میں وثوق پیدا کرتا ہے۔ وہ ایک ایسا پارس ہے جس کی تاثیر اگر کوئی ٹھیک ٹھیک قبول کرلے تو کندن بن جائے۔ ﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ..... لَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾ یہ لفظ کلمہ طیبہ کی ضد ہے، جس کا اطلاق اگرچہ ہر خلافِ حقیقت اور مبنی بر غلط قول پر ہو سکتا ہے مگر یہاں اس سے مراد ہر وہ باطل عقیدہ ہے جس کو انسان اپنے نظام زندگی کی بنیاد بنائے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ عقیدۂ باطل چونکہ حقیقت کے خلاف ہے اس لیے قانون فطرت کہیں بھی اس سے موافقت نہیں کرتا۔ کائنات کا ہر ذرہ اس کی تکذیب کرتا ہے۔ زمین و آسمان کی ہر شے اس کی تردید کرتی ہے.....۔

جب تک یہ درخت رہتا ہے کڑوے، کسیلے اور زہریلے پھل دیتا رہتا ہے۔ اور حالات کے بدلتے ہی حوادث کا ایک جھٹکا اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ کلمہ طیبہ اور کلمات خبیثہ کے اس فرق کو ہر وہ شخص محسوس کر لیتا ہے جو دنیا کی مذہبی، اخلاقی، فکری اور تمدنی تاریخ کا مطالعہ کرے۔ وہ دیکھے گا کہ آغاز تاریخ سے آج تک کلمہ طیبہ تو ایک رہا ہے، مگر کلمات خبیثہ کی فہرست ہزاروں مردہ کلمات کے ناموں سے بھری پڑی ہے.....، پھر کلمہ طیبہ کو جب، جہاں، جس شخص یا قوم نے بھی اپنایا، اس کی خوشبو سے اس کا ماحول معطّر ہو گیا۔ اور اس کی برکتوں سے صرف اسی شخص یا

قوم نے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اس کے گرد و پیش کی دنیا بھی ان سے مالا مال ہوگئی۔ مگر کسی کلمہ خبیثہ نے جہاں جس انفرادی یا اجتماعی زندگی میں بھی جڑ پکڑی اس کی سڑانڈ سے سارا ماحول متعفّن ہوگیا۔ اور اس کے کانٹوں کی چبھن سے نہ اس کا ماننے والا امن میں رہا، نہ کوئی ایسا شخص جس کو اس سے سابقہ پیش آیا ہو۔

(تفہیم القرآن: 485,484/2)

''تیسیر القرآن'' میں یہ سرخی جما کر لکھا ہے کلمہ طیبہ کی مثال شجرۂ طیّبہ ہے۔ پاکیزہ درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ اور پاکیزہ درخت کی مومن سے مثال پیش کی گئی ہے۔ جس کے دل میں کلمہ طیبہ یا کلمہ توحید رچ بس گیا ہو، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایسے درخت کی بابت پوچھا جس کے پتے نہیں گرتے۔ نہ اس کا پھل ختم ہوتا ہے.....۔

(صحیح البخاری: 4698)

اللہ تعالیٰ نے شجرۂ طیّبہ کی چار صفات بیان فرمائیں۔ وہ طیب (پاکیزہ) ہے۔ اس کی جڑیں زمین میں خوب مستحکم ہوتی ہیں۔ اور اپنے درخت کا بوجھ سہار سکتی ہیں۔ اس کی شاخیں درخت کے قد آور ہونے کی بنا پر آسمانوں میں یعنی بہت بلندی تک چلی گئی ہیں۔ لہٰذا اس کا پھل ہوا کی آلودگی اور گندگی کے جراثیم سے پاک ہوگا۔ ہر ہر موسم میں خوب پھل دیتا اور اکثر سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ کلمہ طیّبہ میں یہ صفت بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہ سدا بہار ہے اور ہر وقت اپنا صالح برگ و بار لاتا رہتا ہے۔ ''کلمہ طیّبہ کے ثمرات'' یہ سرخی جما کر لکھا ہے:

جس کی کوئی فصل پھل سے خالی نہیں جاتی۔ جب کلمہ توحید کسی مومن کے دل میں رچ بس جاتا ہے۔ اور اس میں اس کی جڑ پیوست ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی پوری زندگی اسی کلمہ کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیتا ہے تو اس سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں۔ اس کا فائدہ اس سے بڑھ کر آس پاس کو بھی پہنچتا ہے اور سب فیض یاب ہوتے ہیں۔ اور وہ ہر آن ہوتا رہتا ہے۔ پھر یہی اعمال صالحہ آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ ''تمام تر ستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل ان کو بلند کرتا ہے۔'' (فاطر 10:35) اور یوں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکات کے نزول کا سبب بنتے ہیں۔

کلمہ طیّبہ کی جڑ اس لحاظ سے مضبوط ہے کہ انسانی زندگی میں اس کا آغاز سیدنا آدم علیہ السلام سے ہوا۔ اور تا قیامت یہ کلمہ برقرار رہے گا۔ آندھیوں کے جھکڑ یا بلا خیز طوفان اسے متزلزل نہ کر سکے۔ اور باطنی لحاظ سے اس کلمہ کا مستقر مومن کا دل ہے۔ جو کبھی نہیں نکل سکتا۔

خلافت اور دوسرے نظام ہائے حیات

کلمہ طیّبہ کے مقابلے میں کلمہ خبیثہ (گندی بات، شرک و کفر) کی مثال ایسے پودے سے دی گئی ہے جس کی سب صفات شجرۂ طیّبہ کے برعکس ہیں۔ اس کی جڑ گہرائی تک نہیں جاتی۔ یہ مثال ہر باطل بات یا باطل نظام پر صادق آتی ہے۔ حدیث کی رو سے اس شجر سے مراد اندرائن (حنظل، تمّے) کا پودا ہے۔ جہاں بھی بری بات (یا باطل نظام) قائم ہوگا کڑوے برگ و بار ہی لائے گا۔ جس سے عوام میں اضطراب بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اسلامی نظام حیات، خلافت ہے۔ اور باطل نظام ان گنت ہوتے ہیں۔

قبر میں سوال و جواب

جب قبر میں ملائکہ میت سے سوال کریں گے۔ تو اس وقت مومن ثابت قدم رہے گا۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوگا تو وہ کہے گا: «أشهد أن لا اله الّا اللّٰه و أشهد أنَّ محمدا رّسول اللّٰه» حدیث میں مذکور آیت میں ''قول ثابت'' سے یہی مراد ہے۔ (صحیح البخاری: 1369، وصحیح مسلم: 2871) کچھ تذکرہ جامع ترمذی، کتاب التفسیر میں بھی آتا ہے۔ تدفین میت کے بعد میت کے پاس کھڑے ہو کر یہ دعا بھی کی جاتی ہے: أَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ۔ اور قول ثابت سے مراد یہی کلمہ ہے۔ اور کافر و مشرک ظالم وغیرہ کوئی جواب نہ دے سکے گا۔ وہ «هَاهَا لَا أَدْرِى» ''افسوس! افسوس! میں نہیں جانتا'' سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکے گا۔ اس سلسلے میں صاحب التفسیر حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث (صحیح البخاری: 1374) اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (جامع الترمذی: 1071) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث (مسند احمد: 296/4، و سنن أبی داود: 3212) درج فرمائی، اصل کتب سے مراجعت کی جاسکتی ہے۔



مرنے کے بعد بھی ثواب ہی ثواب

عبداللہ یوسف ذہبی

دنیا کی زندگی دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء۔ موت کے ساتھ ہی اس سے عمل کرنے کی اہلیت صلب کر لی جاتی ہے اور وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ اس لیے زندگی کی گھڑیوں کو قیمتی سمجھتے ہوئے کثرت سے اعمالِ صالحہ بجا لاکر موت کے بعد کی زندگی (آخرت) کے لیے تیاری کرنے کی ترغیب دلائی گئی؟

ایک صحابی نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ کون سا مومن زیادہ عقل مند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو موت کو زیادہ یاد کرتے ہیں اور اس کے بعد کے لیے زیادہ اچھی تیاری کرتے ہیں، یہی عقل مند ہیں۔''

(سنن ابن ماجه: 4259)

لہٰذا بندۂ مومن زندگی کے لمحات کی قدر کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ زندگی کے ختم ہوتے ہی وہ عمل کرنے کے قابل نہ رہے گا۔ یہی بات رسول کریم ﷺ نے ان الفاظ میں سمجھائی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اور نہ اس کے آنے سے پہلے اس کے لیے دعا کرے، اس لیے کہ جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور مومن کی عمر سے خیر ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم: 2680)

بعض ایسے اعمال کی نشاندہی احادیث میں کی گئی ہے کہ جن کے کرنے سے ایک ہی بار ثواب نہیں ملتا بلکہ موت کے بعد بھی ان کے اجروثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو تین صورتوں کے علاوہ اس کے سب عمل منقطع ہو جاتے ہیں: ① صدقہ جاریہ ② وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا رہے۔ ③ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔'' (صحیح مسلم:1631)

حدیث میں مذکور صورتوں کی تفصیل:

① صدقہ جاریہ

کسی شے کو بطور صدقہ وقف کر دینا جو لوگوں کے لیے مستقل خیر کا باعث بنی رہے، صدقہ جاریہ کہلاتا ہے۔ جب تک وہ موجود رہے گی، میت کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ صدقہ جاریہ کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث میں بھی کیا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کو وفات کے بعد جو نیک عمل پہنچتے ہیں، ان میں یہ بھی ہیں: جس علم کی تعلیم دی اور اسے پھیلایا، نیک اولاد جو پیچھے چھوڑی، قرآن مجید کا نسخہ جو کسی کو وراثت میں ملا، مسجد جو اس نے تعمیر کی، مسافر خانہ جو اس نے قائم کیا، نہر جو اس نے جاری کی یا صدقہ جو اس نے اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں دیا۔ ان سب کا ثواب اس کی موت کے بعد اسے ملتا رہتا ہے۔''

(سنن ابن ماجه: 242، حسنه الألباني)

اس حدیث مبارکہ میں جن اعمال کا ذکر ہے وہ صدقہ جاریہ کی مثالیں ہیں، یعنی اگر کوئی شخص قرآن مجید کے نسخے تقسیم کرواتا ہے تو جب تک وہ قرآن مجید پڑھا جائے گا، اسے ثواب ملتا رہے گا۔ یہی حال باقی اعمال کا ہے کہ جب تک مسجد قائم رہے گی اس کے بنانے والے کو ثواب پہنچتا رہے گا۔ نہر کے پانی سے جب تک لوگ مستفید ہوں گے، نہر جاری کرنے والا ثواب حاصل کرتا رہے گا۔ اسی طرح پودے لگانا یا کھیتی باڑی کرنا تاکہ لوگ اس سے پھل اور فصل کھائیں تو یہ بھی صدقہ جاریہ ہوگا اور مرنے کے بعد بھی ثواب ملتا رہے گا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مسلمان کوئی پودا

لگاتا یا کھیتی اگاتا ہے، اس سے پرندے یا انسان یا جانور جو کچھ کھائیں گے اس کی وجہ سے اسے صدقہ کا ثواب ملے گا۔''
(صحیح البخاری: 2320، و صحیح مسلم: 1553)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خیبر میں کچھ زمین ملی۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: مجھے زمین ملی ہے اور اس جیسا نفیس مال مجھے کبھی نہیں ملا تو اس کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اگر چاہو تو اس کے اصل کو اپنے پاس رکھو اور اس کی آمدنی کو صدقہ کر دو۔'' چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو صدقہ کر دیا اس شرط کے ساتھ کہ اس کے اصل کو بیچا نہیں جائے گا، ہبہ نہیں کیا جائے گا اور نہ وراثت ہی میں وہ تقسیم ہو گی اور اس کی آمدنی فقراء، قرابت داروں، گردنوں کے چھڑانے، جہاد اور مسافروں کے لیے خرچ ہو گی.....۔
(صحیح البخاري: 2772، وصحیح مسلم: 1632)

اس حدیث سے بھی صدقہ جاریہ کے مفہوم کی وضاحت ہوتی ہے کہ اصل مال کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کی آمدنی کو صدقہ کر دیا جائے۔ لہٰذا جب تک اس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے گا میت کو اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔

قارئین کرام! احادیث سے آپ نے صدقہ جاریہ کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں، اس کے علاوہ بھی بہت سے کام ایسے ہیں جن پر صدقہ جاریہ کی تعریف صادق آتی ہے، مثلاً کنواں کھدوانا اور اس کا پانی عوام کے لیے وقف کر دینا، کسی کو کوئی ہنر سکھا دینا تاکہ وہ حلال روزی کما سکے، مسجد تعمیر کرنا یا مسجد میں نمازیوں کی سہولت کے لیے کوئی انتظام کرنا جیسے پنکھے لگوا دینا، گرمیوں میں نمازیوں کے پینے کے لیے ٹھنڈے پانی کے کولر کا بندوبست کرنا وغیرہ، قبرستان کے لیے جگہ وقف کرنا، ہسپتال بنوانا، ہسپتال میں مریضوں کے لیے کوئی چیز وقف کرنا جیسے وہیل چیئر، ایکسرے مشین، یا ایمبولینس وغیرہ، دینی مدارس بنوانا، علوم دینیہ کے طلباء کی کفالت کرنا، مسجد، مدرسے یا کسی عوامی جگہ پر لائبریری بنا کر اس میں عوام کے مطالعے کے لیے دینی کتب رکھنا۔ یتیموں اور مسکینوں کی کفالت کرنا۔

② علم نافع کا حصول اور اس کی اشاعت

حصولِ علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور علم حاصل کرنے کے بعد اس کی نشر و اشاعت دوسرا بڑا فریضہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَلِّغُوا عَنِّی وَلَو آیَةً» ''تمھیں ایک آیت بھی مجھ سے یاد ہو تو اسے آگے پہنچا دو۔'' (صحیح البخاری: 3461) علم سیکھ کر اس کے آگے پھیلانے کے جہاں اور بہت سے فوائد اور فضائل ہیں وہاں ایک بہت بڑی فضیلت اس عمل کی یہ ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد بھی اس کا اجر و ثواب پہنچتا رہتا ہے اور کسی مسلمان کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں جتنے لوگ راہِ راست پر آتے ہیں یا کوئی نیک عمل شروع کر دیتے ہیں یا کسی گناہ کو ترک کر دیتے ہیں تو ان سب کا ثواب عمل کرنے والوں کے ساتھ ساتھ اس داعی کو بھی ملتا رہتا ہے اور یہ سلسلہ صرف اس کی زندگی تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ مرنے کے بعد بھی اسے برابر ثواب ملتا رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''جس نے کسی بھلائی پر رہنمائی کی تو اس کے لیے اس کے کرنے والے کے برابر اجر ہے۔'' (صحیح مسلم: 1893)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس کی پیروی کرنے والوں کو ملے گا۔ اور یہ ان کے اجروں میں سے کچھ کمی نہیں کرے گا۔ اور جو کسی کو کسی گمراہی کی طرف بلائے گا تو اس پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کا وبال بھی ہو گا جو اس کی پیروی کرنے والوں کو گناہ کرنے کا ہو گا، یہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں کرے گا۔'' (صحیح مسلم: 2674)

یاد رہے کہ علم حاصل کر کے اس کو نشر کرنے کے جتنے بھی ذرائع اور طریقے ہیں ان پر عمل کرنے سے ایک مسلمان یہ فضیلت حاصل کر سکتا ہے۔ مثلاً خود علم سیکھ کر تقریر و تحریر کے ذریعے اسے پھیلانا، مستند علماء کی کتب خرید کر تقسیم کرنا، علماء کی تقاریر اور خطبات وغیرہ کی کیسٹیں اور سی ڈیز تقسیم کرنا، دینی تعلیم کے لیے مدارس بنانا اور ان کے اخراجات برداشت کرنا، مدارس کے طلباء کی کفالت کرنا، ان کے قیام و طعام اور کتب وغیرہ کا بندوبست کرنا۔ مدارس کے اساتذہ اور علماء و خطباء کا وظیفہ مقرر کرنا تاکہ وہ دین کی نشر و اشاعت کا کام کر سکیں۔ وغیرہ یہ سب کام علم نافع کی اشاعت کے زمرے میں آتے ہیں اور صدقہ جاریہ بھی ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی میت کو پہنچتا رہتا ہے۔

③ نیک اولاد

حدیث میں نیک اولاد کی دعا کا ذکر ہے کہ

کسی کے مرنے کے بعد اس کی اولاد اگر دعا کرتی ہے تو یہ اس کے لیے گناہوں کی بخشش اور بلندیٔ درجات کا باعث بنتی ہے۔ اور یاد رہے کہ اس مسئلے میں اولاد کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں بلکہ میت کے لیے اولاد کے علاوہ کوئی بھی دعا کرتا ہے تو وہ اس کے لیے مفید ہوتی ہے لیکن حدیث میں اولاد کو خصوصاً اس لیے ذکر کیا ہے کہ انسان اپنی اولاد کی تربیت اس انداز میں کرے کہ اسے اپنے والدین کے حقوق کا علم ہو اور وہ ان کی زندگی میں خدمت کرے، حسن سلوک سے پیش آئے اور مرنے کے بعد اپنی دعاؤں میں والدین کو بھی یاد رکھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین کو بھی اور حساب کے قائم ہونے کے دن تک آنے والے تمام مومنوں کو بھی۔'' (ابراھیم 14:41)

والدین کے لیے اولاد کی دعا کس قدر مفید ہو سکتی ہے، اسے جاننے کے لیے درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں آدمی کا درجہ بلند کیا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے: یہ کس وجہ سے ہوا؟ اسے کہا جاتا ہے: تیری اولاد کے تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔''

(سنن ابن ماجه: 3660)

دعا کے علاوہ اگر والدین اولاد کی دینی خطوط پر تربیت کر کے فوت ہوتے ہیں تو اولاد کوئی بھی نیک عمل کرے، اس کا ثواب والدین کو پہنچتا رہے گا اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اس لیے اگر والدین نے اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلوائی ہے، انھیں اسلام پر چلنے کی وصیت کر کے مرے ہیں تو اولاد کے ہر نیک عمل کا ثواب خود بخود ان کو پہنچتا رہے گا۔ ہمارے ہاں، قل، تیجا، ساتا، چالیسواں یا قرآن خوانی کی شکل میں ثواب پہنچانے کا جو طریقہ رائج ہے اولاً تو وہ عمل محدث ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔ دوسرا قرآن کی تلاوت کر کے اس کا ثواب مُردوں کو بخشنا کتاب و سنت سے ہرگز ثابت نہیں۔ عجیب بات ہے کہ معاشرے میں ناک رکھنے کے لیے بیٹے اپنے باپ کے مرنے پر اس کی ساری جمع پونجی ''قل شریف'' پر خرچ کر بیٹھتے ہیں اور بعض تو اس کام کے لیے قرض لینے سے بھی باز نہیں آتے۔ هداهم الله .

ایسی اولاد کی خدمت میں ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ کو اپنے فوت شدہ والدین سے محبت ہے تو انھیں دعائیں دیجیے اور اپنی زندگیاں اسلام کے مطابق گزاریں۔ آپ جو بھی نیک عمل کریں گے اس کا ثواب والدین کو مل جائے گا۔ البتہ والدین کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں ان کی والدہ وفات پا گئیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میری عدم موجودگی میں میری والدہ وفات پا گئی ہیں اگر میں ان کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کروں تو انھیں فائدہ ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' تو وہ کہنے لگے: ''میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ پھل دار باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔'' (صحيح البخاري: 2756)

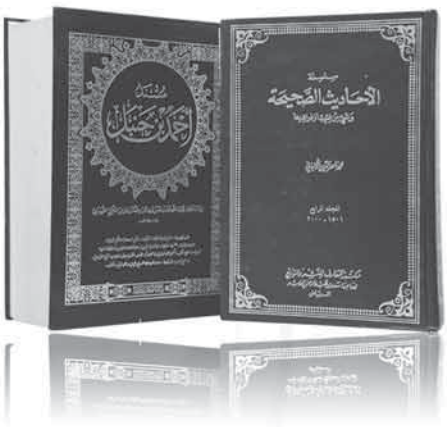
④ دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں مورچہ بندی

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر مرنے والے کا عمل اس کے مرنے پر ختم ہو جاتا ہے، مگر مورچہ بند کہ اس کا عمل قیامت تک کے لیے بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے عذاب سے (یا منکر نکیر کے سوال جواب سے) امن میں رہتا ہے۔''

(جامع الترمذی: 1621، وسنن أبی داود: 2500)

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن اور رات کا پہرہ ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے اور اگر وہ پہرے کی حالت میں فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا ثواب مسلسل جاری رہتا ہے اور اس کے لیے رزق جاری کیا جاتا ہے اور وہ قبر و آخرت کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے۔ (صحيح مسلم: 1913)

ان دونوں احادیث میں اسلام کی خاطر پہرہ دینے اور دشمنوں کے مقابلے میں مورچہ بندی کی فضیلت یہ بیان ہوئی ہے کہ قیامت تک اس کا اجر و ثواب جاری رہتا ہے، اگرچہ پہرہ دینے کی مدت ایک دن اور رات ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کافروں سے برسر پیکار مجاہدین کس قدر اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔



غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث

ابوانس

قسط: 25

① تو کسی سرخ وسیاہ سے بہتر نہیں ہے!

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أُنْظُرْ فَإِنَّكَ لَيْسَ بِخَيْرٍ مِنْ أَحْمَرَ وَلَا أَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تَفْضُلَهُ بِتَقْوَى» ''دیکھ لینا کیونکہ تم کسی سرخ وسیاہ سے بہتر نہیں ہو الا یہ کہ تم تقوی کی بدولت ان سے فضیلت حاصل کرو۔''

(مسند أحمد: 158/5، صحيح لغيره)

② امت کو خوش خبری دے دو!

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « بَشِّرْ هَذِهِ الْأُمَّةَ بِالسَّنَاءِ وَالرِّفْعَةِ، وَالدِّينِ وَالنَّصْرِ، وَالتَّمْكِينِ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ عَمَلَ الْآخِرَةِ لِلدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهُ فِي الْآخِرَةِ نَصِيبٌ » ''اس امت کو بلندی ورفعت، دین ونصرت اور زمین میں اقتدار کی خوشخبری دے دو، چنانچہ جس شخص نے آخرت کے لیے کیے جانے والے عمل کو دنیا کے لیے کیا تو اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔''

(مسند أحمد: 134/5، حسن)

اگر امت آج بھی صحیح معنوں میں امت بن جائے تو یقیناً امت کے افراد اس حدیث کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ پیشین گوئیوں کو کسی وقت کے لیے خاص نہیں کیا۔

③ گھروں کو ویران ہونے سے بچائیں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «.....وَالْيَمِينُ الْفَاجِرَةُ تَدَعُ الدِّيَارَ بَلَاقِعَ» ''جھوٹی قسم آباد گھروں کو ویران کر کے چھوڑتی ہے۔''

(السنن الكبرى: 10 / 35 بحواله السلسلة الصحيحة: 978)

④ چھ ہلاکت خیز علامات

سیدنا عبس غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے: «بَادِرُوْا بِالْمَوتِ سِتًّا: إِمْرَةَ السُّفَهَاءِ، وَكَثْرَةَ الشُّرَطِ، وَبَيْعَ الْحُكْمِ، وَاسْتِخْفَافاً بِالدَّمِ، وَقَطِيعَةَ الرَّحِمِ، ونَشْأً يَتَّخِذُونَ الْقُرْآنَ مَزَامِيرَ يُقَدِّمُونَهُ يُغَنِّيهِمْ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْهُمْ فِقْهاً» ''چھ علامات سے پہلے ہی مرجانا اچھا ہے: ① کم عقل اور بے وقوف لوگوں کی امارت۔ ② پولیس کی کثرت ③ فیصلوں کی خرید وفرخت ④ خون کی ارزانی ⑤ قطع رحمی ⑥ اور نوجوانوں کی جماعت جنھوں نے قرآن کو بانسریوں کی طرح بنالیا ہوگا۔ لوگ ان کو (نماز کے لیے) اس لیے آگے کریں گے کہ وہ قرآن کو (غلط) ترنم سے پڑھیں گے، اگرچہ وہ دین کی سمجھ بوجھ میں ان سے کم ہی کیوں نہ ہوں۔''

(مسند أحمد: 494/3، صحيح)

⑤ آپ ایسے تاجر تو نہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تاجر روز قیامت فاجروں کی صف میں اٹھائے جائیں گے۔'' صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال قرار نہیں دیا؟ فرمایا: ''کیوں نہیں! لیکن تاجر قسمیں اٹھاتے ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں اور باتوں میں جھوٹ بولتے ہیں۔'' مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تاجروں کو مستثنیٰ قرار دیا جو اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور نیکی سے کام لیں اور سچ بولیں۔

(جامع الترمذی: 1210، والسلسلة الصحيحة: 994)

مشہور مگر ضعیف یا موضوع روایات

نعمان فاروقی قسط: 7

صیانتِ حدیث

① شب براءت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُومُوا لَيْلَتَهَا وَصُومُوا يَوْمَهَا.....»

''جب شعبان کی پندرہویں رات آئے تو قیام کیا کرو اور دن کو روزہ رکھا کرو کیونکہ اس رات کی شام ہی سے اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر آکر فرماتے ہیں: ''کوئی بخشش کا طلبگار ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ کوئی رزق کا طالب ہے کہ میں اسے رزق عطا کروں؟ کوئی آزمائش سے دوچار ہے کہ میں اسے عافیت سے نوازوں؟ کوئی سائل ہے کہ میں اسے دوں؟ کیا کوئی فلاں ہے؟ کوئی فلاں ہے۔'' یہاں تک کہ فجر طلوع ہوجاتی ہے۔

(سنن ابن ماجه: 1388)

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھیے: السلسلة الضعيفة: 154/5، حديث: 2132.

اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان کی پندرہویں رات دیکھا، آپ کھڑے ہوئے۔ اور چودہ رکعات نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ، اخلاص، فلق اور ناس چودہ چودہ مرتبہ پڑھیں۔ اور آیۃ الکرسی ایک مرتبہ پڑھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو میں نے آپ سے اس نماز کے متعلق پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ صَنَعَ مِثْلَ الَّذِي رَأَيْتَ كَانَ لَهُ كَعِشْرِينَ حَجَّةً مَبْرُورَةً.....» ''جس نے ایسے کیا جو تم نے مجھے کرتے دیکھا ہے تو اسے بیس مقبول حجوں کا ثواب اور بیس سال کے مقبول روزوں کا ثواب ملے گا اور اگر اس نے روزہ رکھا تو ساٹھ سالہ گزشتہ روزوں اور ایک سال آئندہ روزوں کا ثواب ہوگا۔'' (شعب الإيمان)

ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (الموضوعات لابن الجوزی: 52/2 اور دیکھیے تنزيه الشريعة عن الأحاديث الموضوعة لابن عراق: 94/2)

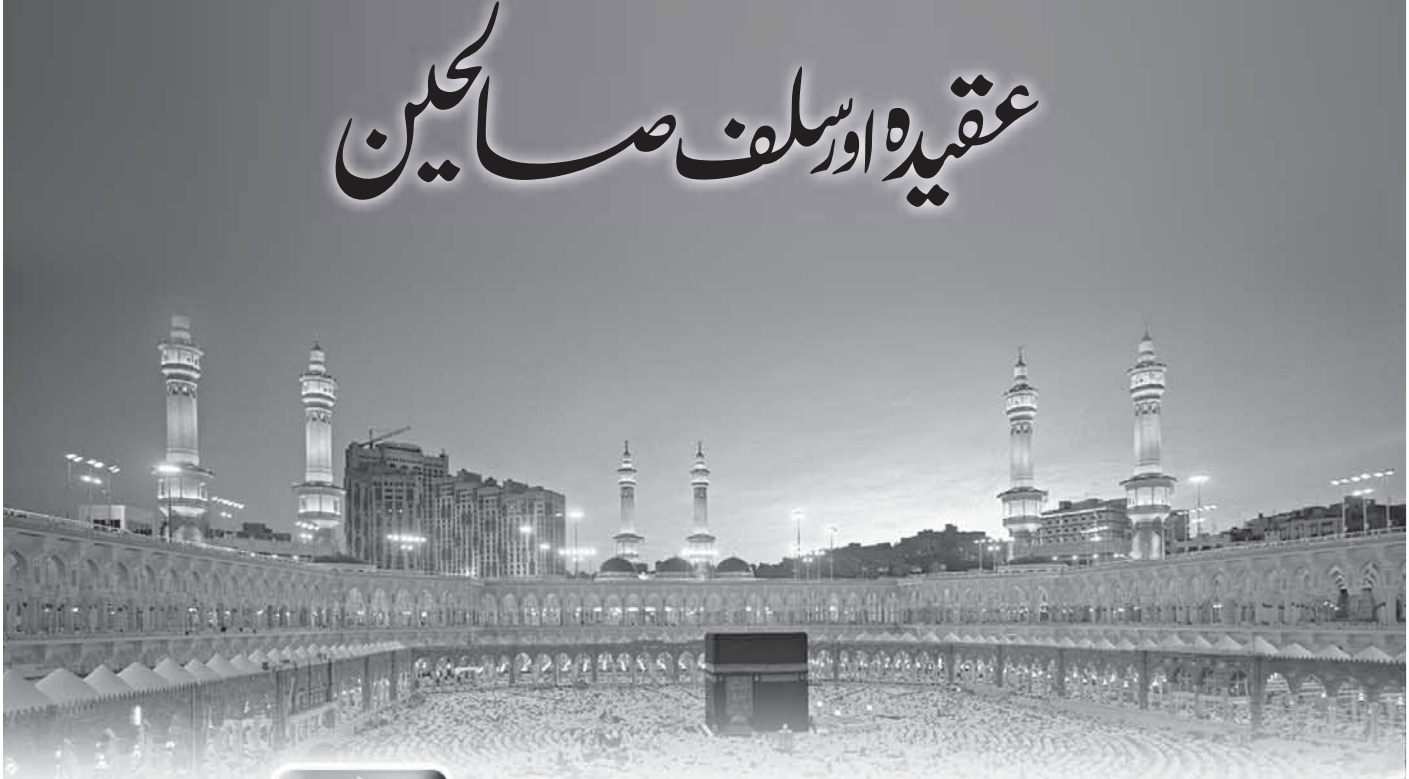
② سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات اور ایک دن

مشہور قصہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے خواہش ظاہر کی کہ میری زندگی کے تمام اعمال ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات اور ایک دن کے برابر ہوجائیں۔

رات سے مراد غار ثور کی رات ہے جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار کے سوراخ بند کردیے اور دو سوراخ بچے تو ان میں اپنے پاؤں رکھ دیے۔ سوراخوں سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ڈسا گیا مگر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں خلل کے پیش نظر حرکت نہ کی، تکلیف شدت اختیار کرگئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنسو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر پڑے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ساری حقیقت واضح کردی۔

دن سے مراد وہ دن ہے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت پر متمکن ہونے کے بعد مرتدین، مانعینِ زکاۃ، مدعیان نبوت اور ان کے پیروؤں کے خلاف جنگی کارروائی کا فیصلہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان لوگوں سے نرمی برتنے کا کہا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تعجب ہے جاہلیت میں اتنے دلیر اور اسلام میں اتنے بزدل!'' (دلائل النبوة)

یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس روایت میں فرات بن سائب راوی منکر الحدیث ہے۔ امام دارقطنی نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے: الضعفاء والمتروكين: 3/3، والجرح والتعديل: 80/7.



عقیدہ اور سلف صالحین

ساجد الرحمٰن بہاولپوری

قسط: 5

دوسری قسم توحید کی وہ ہے جس کو سورۂ غافر اور سورۂ اعراف کی ابتدائی اور آخری آیات، سورۂ مومن اور سورۂ انعام اور اسی طرح قرآن کریم کی اکثر بلکہ ساری سورتیں شامل ہیں، یہ تمام سورتیں توحید کی اس قسم پر گواہ اور اس کی طرف دعوت دینے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی توحید کی اسی نوع پر مشتمل ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ ”آپ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو کہ بے شک ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔“

(آل عمران 3: 64)

بے شک قرآن نے اللہ تعالیٰ، اس کے اسماء وصفات اور افعال واقوال کے بارے میں خبر دی ہے۔ اسے توحید علمی خبری کہا جاتا ہے۔

اور جو اس میں اکیلے اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرنے اور اس کے علاوہ دیگر تمام معبودان باطلہ کی پرستش سے باز رہنے کی دعوت دی گئی ہے، اسے توحید ارادی طلبی کہتے ہیں۔

اور اس میں کچھ کاموں کے کرنے کا حکم اور کچھ کاموں کے ارتکاب سے روکا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے اوامر ونواہی (جن چیزوں کا اللہ نے حکم دیا ہے انھیں کرنا اور جن چیزوں سے اللہ نے روکا ہے ان سے رک جانا) ماننا لازم قرار دیا گیا ہے۔ یہ توحید کے حقوق اور اس کو مکمل کرنے والے امور ہیں۔

اہل توحید کی تکریم وتعظیم اور دنیا میں انھیں جن مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اس کے بدلے میں روز محشر ان کی جو عزت افزائی کی جائے گی اور انھیں انعامات واکرامات سے نوازا جائے گا، اس سے متعلق قرآن کریم میں جو خبریں اور اطلاعات دی گئی ہیں وہ توحید کی جزا ہے۔ اسی طرح اہل شرک کے متعلق جو خبریں دی گئی ہیں کہ دنیا میں انھیں کس طرح نشان عبرت بنادیا گیا اور روز محشر انھیں جس الم انگیز اور ہولناک عذاب کے حوالے کردیا جائے گا جو ان کی چمڑیاں ادھیڑ کر رکھ دے گا۔ یہ عقیدۂ توحید سے انحراف کی سزا ہے۔ گویا قرآن سارے کا سارا توحید، اس کے حقوق اور اس کی جزا اور اسی طرح شرک، اہل شرک اور ان کو ملنے والی دردناک سزاؤں کے متعلق ہے۔

(مدارج السالکین لابن القیم: 449/3)

توحید ربوبیت۔ کوئی بھی معروف گروہ دوہم مثل خالق نہیں مانتا

علامہ ابن ابی العز حنفی لکھتے ہیں کہ توحید کی ایک قسم توحید ربوبیت ہے، یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور یہ کہ اس جہان کے بانی دو نہیں ہیں جو صفات اور افعال میں برابر ہوں۔

یہ توحید کی ایسی قسم ہے جس کے حق ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں۔ حتی کہ بعض اہل کلام اور صوفیوں کے ایک گروہ کے نزدیک تو یہی توحید کی انتہا ہے۔ ان کے نزدیک جو شخص توحید کی اس قسم پر ایمان رکھتا ہے، وہ پکا مومن اور موحد ہے، اگرچہ وہ توحید کی دیگر اقسام کا منکر ہی ہو۔ (مگر اہل کلام اور صوفیوں کا یہ نظریہ مبنی بر باطل ہے، جیسا کہ آئندہ صفحات میں اس کے بطلان کی وضاحت آرہی ہے۔)

یہ توحید کی ایسی قسم ہے کہ بنی آدم میں سے کسی بھی مشہور گروہ نے اس کا انکار نہیں کیا، بلکہ انسانی دل فطری طور پر جس قدر اس توحید کا اقرار کرتے ہیں، موجودات میں سے دوسری کسی بھی چیز کا فطرتاً اس قدر اقرار نہیں کرتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ ''ان (سابقہ قوموں) کے رسولوں نے کہا: کیا اللہ کے بارے میں کوئی شک ہے، جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے؟''

(إبراهيم 14: 10)

اس کائنات کے بنانے والے کا انکار کرنے اور لاعلمی کا اظہار کرنے میں سب سے زیادہ مشہور فرعون سمجھا جاتا ہے، حالانکہ دل سے وہ بھی اس بات کا یقین رکھتا تھا کہ ہر چیز کا خالق اور بانی اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اسے مخاطب کرکے فرمایا تھا: ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآئِرَ﴾ ''بلاشبہ تو خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نازل نہیں کی ہیں۔''

(بنی إسرائیل 17: 102)

اللہ تعالیٰ نے بھی فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں یہی بات ارشاد فرمائی ہے: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ ''اور انھوں نے سراسر ظلم اور غرور کی وجہ سے ان نشانیوں کا انکار کیا، حالانکہ ان کے دل ان کا اچھی طرح یقین کرچکے تھے۔''

(النحل 27: 14)

اسی لیے جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر تجاہل عارفانہ کے طور پر جان بوجھ کر انکار کرتے ہوئے یہ کہا: ﴿وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور یہ ربّ العالمین کیا چیز ہوتی ہے؟'' تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا: ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ O قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ O قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ O قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ O قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ ''جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، اور ان سب چیزوں کا رب جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ فرعون نے اپنے گردوپیش کے لوگوں سے کہا: کیا تم سنتے نہیں؟ موسیٰ نے کہا: تمھارا

رب بھی اور تمھارے پہلے باپ دادا کا رب بھی۔ فرعون نے (حاضرین سے) کہا: یقیناً تمھارا یہ رسول جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے، بالکل ہی پاگل معلوم ہوتا ہے۔ موسیٰ نے کہا: مشرق ومغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کا رب، اگر تم لوگ کچھ عقل رکھتے ہو۔''

(الشعرآء 26: 24، 28)

چند لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کی ماہیت اور حقیقت کے بارے میں سوال کیا تھا۔ اس کا مقصد انکار کرنا نہیں تھا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حقیقت نہیں ہے اس وجہ سے موسیٰ علیہ السلام جواب دینے سے عاجز آ گئے۔ یہ نظریہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ فرعون کا استفہام انکاری تھا۔ اس سوال سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کو جھٹلانا تھا، جیسا کہ قرآن کی بیش بہا آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فرعون اللہ تعالیٰ کا منکر اور اللہ کی تکذیب کرنے والا تھا۔ دل سے یقین کرنے کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی نفی کرتا تھا نہ کہ وہ اللہ کا اثبات کرتے ہوئے اس کی حقیقت اور ماہیت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے ہی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سامنے یہ واضح کیا کہ اللہ کی ذات جانی پہچانی ہے، اس کی نشانیاں اور اس کی ربوبیت کے دلائل اس سے کہیں زیادہ واضح اور مشہور ہیں کہ اس کے بارے میں یہ سوال کیا جائے کہ وہ کیا چیز ہے؟ بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے کہیں زیادہ واضح، ظاہر اور مشہور ہے کہ اس کے بارے میں لاعلمی، تردد اور شک کا اظہار کیا جائے۔ اس ذات پاک کی معرفت دیگر تمام مشہور ومعروف چیزوں سے بدرجہا زیادہ انسانی فطرت وجبلّت میں جاگزیں ہے۔ اس لیے اس ذات باری تعالیٰ کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرنا تجاہل عارفانہ کے سوا کچھ نہیں۔

کوئی بھی معروف گروہ اس عقیدے کا حامل نہیں پایا گیا کہ اس کائنات کے بنانے والے دو ہیں جو صفات اور افعال میں برابر ہیں۔ مجوسیوں میں سے کچھ لوگ اور اسی طرح مانویہ، جو نور اور ظلمت دو اصلوں کے قائل ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کائنات انھی سے وجود میں آئی ہے، وہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ نور، ظلمت سے بہتر ہے، اور وہ تعریف کیا ہوا معبود ہے جبکہ ظلمت مذمت کیا ہوا شر ہے۔ ظلمت کے بارے میں یہ لوگ خود شدید اختلاف کا شکار ہیں کہ وہ قدیم یا بعد میں وجود میں آئی؟ چنانچہ وہ صفات اور افعال میں برابر دو رب نہیں مانتے۔

اسی طرح عیسائی جو عقیدۂ تثلیث کے قائل ہیں، وہ اس جہان کے جدا جدا تین رب نہیں مانتے بلکہ ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کائنات کا بنانے والا ایک ہی ہے اور وہ کہتے ہیں: باپ، بیٹے اور روح القدس کے نام سے جو ایک ہی معبود ہے۔ عقیدۂ حلول کے بارے میں ان کی باتیں اس سے بھی زیادہ مختلف فیہ اور فساد انگیز ہیں، اسی لیے عقیدے کے فہم اور اس کی وضاحت کرنے میں وہ روز اول ہی سے اضطراب اور تردد کا شکار ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص بھی اس کی کوئی معقول وضاحت نہیں کرسکتا۔ نیز ان میں سے کوئی دو فرد بھی اس کے ایک معنی ومفہوم پر متفق نہیں ہیں، ہر شخص الگ رائے اور الگ نظریے کا حامل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے ایک ہی ہے مگر اقنوم تین ہیں! اور اقانیم سے کبھی وہ خصوصیات مراد لیتے ہیں کبھی صفات۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو فطرت سلیم پر پیدا فرمایا ہے، اس لیے مکمل غور وفکر کے بعد ان اقوال کا فساد و بطلان واضح ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ لوگ بھی دو برابر صفات کے حامل خالق نہیں مانتے۔

اس ساری بحث کا مقصد یہ ہے کہ کوئی گروہ ایسا نہیں ہے جو اس کائنات کے دو ہم مثل خالق ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو۔ اسی طرح یہ بھی کہ بہت سے اہل کلام اور فلسفی جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صرف ایک خالق ومالک مان لینا غایت توحید کے لیے کافی ہے اس سے توحید کا حق مکمل طور پر ادا ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک صرف وہ شخص مشرک ہے جو دو ہم مثل خالق، مالک مانتا ہے، مگر وہ یہ ثابت کرنے سے عاجز آ گئے ہیں کہ کائنات میں کوئی ایسا گروہ ہے جو اس عقیدے کا حامل ہو، بعض اہل کلام اور فلسفیوں نے تو عقلی طور پر یہ ثابت کرنے سے عاجز آ جانے کا اعتراف بھی کیا ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ یہ فقط سنی سنائی باتیں ہیں حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

(شرح العقيدة الطحاوية، ص: 80,79)

نماز میں حضوریٔ قلب کیسے حاصل ہو؟

فضیلۃ الشیخ محمد صالح منجد اردو تعبیر: شیخ الحدیث عمر فاروق سعیدی

اسلام کی عبادات میں نماز ایک ایسی عظیم الشان، اہم ترین عبادت ہے کہ جس قدر تفصیلات وتوضیحات اس عبادت کی بیان ہوئی ہیں کسی اور کی نہیں ہیں۔ مگر اس کے باوجود اہل اسلام میں اسی نماز کے مسائل میں بہت اختلاف بھی ہے۔ تو چاہیے کہ ایک مخلص بندہ حسبِ وسعت مسائل کی حقیقت پہچانے اور اپنی عبادت کو بارگاہ ربانی میں مقبول بنانے کی فکر کرے۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ جو یقیناً کسی بھی مکتب فکر بلکہ کسی بھی فرد کے لیے اختلافی نہیں ''نماز سوچ سمجھ کر پڑھنا'' ہے۔ ضروری ہے کہ بندہ اپنے رب کی بندگی اور نماز میں حضوریٔ قلب کی لذت سے سرشار ہو اور اپنے دل و دماغ میں آنے والے خیالات و وساوس سے حتی الامکان مجاہدہ کرے۔ اگر نماز کے دوران میں انسان اپنے حساب کتاب، لین دین، جمع تفریق یا اسی طرح کے دوسرے مسائل میں الجھا رہے تو نماز میں اتنی کمی آ جاتی ہے، اتنی کمی آ جاتی ہے کہ دنیا جہان کے کل خزانے بھی اس کمی کو پورا نہیں کر سکیں گے۔ اس حضوریٔ قلب کو قرآن کریم میں ''قنوت، اخبات اور خشوع وخضوع'' کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ ''اللہ کے حضور انتہائی پرسکون ہو کر (ادب سے) کھڑے ہوا کرو۔'' (البقرۃ 2:238)

اور نماز کے بارے میں فرمایا: ﴿اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ ''نماز لوگوں کے لیے بہت بھاری عمل ہے مگر خاشعین کے لیے (نہیں)۔'' (البقرۃ 2:45)

دین کے عملی ارکان میں نماز سب سے بڑھ کر چوٹی کی اعلیٰ وارفع عبادت ہے۔ اس میں سکون، خشوع، حضوریٔ قلب اور استحضار ایک عظیم ترین شرعی مطالبہ ہے۔ اور شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے، وہ عہد کر چکا ہے کہ جیسے بھی بن پڑا وہ بنی آدم کو گمراہ کرنے اور فتنوں میں ڈالنے سے باز نہیں رہے گا۔ اس نے کہا تھا: ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ﴾ ''پھر میں ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی دائیں جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی۔'' (الأعراف 7:17)

تو اس کا سب سے بڑا حملہ یہی رہا ہے کہ وہ پینترے بدل بدل کر انھیں نماز سے روکتا ہے۔ پھر اس دوران میں طرح طرح سے وسوسہ اندازی اس کا سب سے بڑا مکر رہا ہے۔ تاکہ وہ انھیں اس عظیم ترین عبادت کی حقیقی لذت اور اس کی چاشنی سے محروم کر دے اور ان کا اجر و ثواب ضائع ہو جائے۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد شیطان کے اس پھندے میں پھنسی ہوئی ہے۔

اور پھر یہ ''خشوع'' ایک ایسا منفرد علم اور ایسی عظیم عبادت ہے جسے سب سے پہلے اٹھا بھی لیا جائے گا جبکہ ہم لوگوں کا زمانہ بھی آخرین ہے اور شومئی قسمت سے ہم میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول درست ثابت ہو رہا ہے:

«أول ماتفقدون من دينكم الخشوع، وآخر ما تفقدون من دينكم الصلاة، ورُبّ مصلّ لا خير فيه، ويوشك أن تدخل المسجد فلاترى فيه خاشعا» ''تم لوگوں کے دین میں سے سب سے پہلے خشوع کا فقدان پاؤ گے اور سب سے آخر میں نماز اٹھائی جائے گی۔ اور کتنے ہی نمازی ہیں کہ ان میں خیر نہیں ہوتی۔ عنقریب ایسے ہوگا کہ تم کسی مسجد میں جاؤ گے مگر اس میں تمھیں کوئی خاشع بندہ نظر

نہیں آئے گا۔'' (مدارج السالکین:521/1)

اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہم اپنی ذات میں اور اپنے بہت سے احباب سے یہ شکایت سنتے ہیں کہ نماز میں خیالات اور وسوسے بہت آتے ہیں۔ نماز میں دلجمعی نہیں ہوتی۔

یہ اور اس طرح کے سوالات سے احساس ہوا کہ اس موضوع پر قلم اٹھایا جائے، چنانچہ درج ذیل سطور میں خود میری ذات کے لیے ایک نصیحت ہے اور ان شاء اللہ مسلم قارئین کے لیے بھی۔ دعا ہے کہ اللہ رب العالمین ان الفاظ وکلمات کو کسی طرح نفع آور بنا دے۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۝الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ ''تحقیق فلاح پائی ایمان والوں نے جو اپنی نمازوں میں خشوع (اور عاجزی) کرتے ہیں۔'' (المؤمنون 23:2,1)

کتب تفسیر میں ''خاشعون'' کا معنی ''خائفون، ساکنون'' لکھا گیا ہے، یعنی اللہ سے ڈرنے والے اور سکون اختیار کرنے والے۔

لفظ ''الخشوع'' لغوی طور پر اپنے اندر سکون، اطمینان، ٹھہراؤ، وقار اور تواضع کا مفہوم رکھتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان سب کیفیات پر آمادہ کرنے والی ایک واحد چیز اللہ کا خوف ہی ہے۔ یہ کہ وہ بندے کو دیکھ رہا ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر)

اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ مدارج السالکین میں لکھتے ہیں: «اَلْخُشُوْعُ هُوَ قِيَامُ الْقَلْبِ بَيْنَ يَدِي الرَّبِّ بِالْخُضُوْعِ وَالذِّلِّ» ''خشوع یہ ہے کہ دل اپنے رب کے سامنے انتہائی جھکاؤ، پستی اور ذلت کا اظہار کرے۔''

امام مجاہد رحمہ اللہ ﴿وَقُوْمُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بندے کا اللہ کے خوف سے اس طرح سے پرسکون ہو کر کھڑے ہونا کہ دل میں ڈر اور خوف ہو، نظریں نیچی ہوں اور پہلو بھی دبے ہوئے ہوں۔ اور ان سب ملی جلی کیفیات کو ''قنوت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خشوع کا مقام اور اس کے اثرات

خشوع کا اصل مقام دل ہے اور اس کے اثرات اعضاء پر نمایاں ہوتے ہیں۔ تمام اعضائے جسم دل کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر غفلت، پیاس اور انتشار خیالی سے دل کا خشوع بگڑ جائے تو دیگر اعضاء و جوارح کی عبودیت بھی بگڑ جاتی ہے۔

جسم کی سلطنت میں دل کی مثال بادشاہ کی سی ہے اور اعضاء اس کے لشکری اور فوجی ہیں۔ تمام اعضاء دل ہی کے تابع فرمان ہوتے ہیں۔ اور اسی کے کہنے کے مطابق حرکت میں آتے ہیں، اگر دل کی حکومت نہ رہے اور اسے کسی طرح معزول کر دیا جائے تو اس کی رعیت (یعنی اعضاء جسم) بھی کسی طرح مرتب و منظم نہیں رہ سکیں گے۔

لیکن اگر کوئی بناوٹ سے خشوع و خشیت کا اظہار کرے تو وہ انتہائی ناپسندیدہ اور مبغوض عمل ہے۔ کیونکہ اخلاص کی علامات میں سے اہم ترین یہ ہے کہ خشوع کو چھپایا جاتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: «اِيَّاكُمْ وَخُشُوْعِ النِّفَاقِ» ''اپنے آپ کو منافقانہ خشوع سے بچاؤ۔'' پوچھا گیا کہ منافقانہ خشوع کیسے ہوتا ہے؟ فرمایا کہ تم جسم کو تو خاشع اور متواضع دیکھو مگر دل میں یہ کیفیت نہ ہو اور دل خاشع نہ ہو۔

جناب فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سلف میں یہ بات انتہائی بری سمجھی جاتی تھی کہ آدمی دل کی کیفیت کے برخلاف بناوٹ سے اپنے آپ کو خاشع اور متواضع دکھائے۔

کسی بزرگ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے کندے بہت ہی جھکے ہوئے اور بدن بہت ڈھیلا ڈھالا سا تھا۔ تو انھوں نے اسے متنبہ کیا اور کہا: ''ارے میاں! خشوع یہاں (دل میں) ہے۔ ادھر (کندھوں) میں نہیں۔''

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ خشوع ایمانی اور خشوع نفاق میں اس طرح سے فرق کرتے ہیں:

خشوع ایمانی یہ ہے کہ دل میں اللہ کی عظمت کا وقار، اس کی ہیبت وجلال کا خوف اور حیا ہو۔ دل عاجزی و انکساری سے ٹوٹا ہوا ہو، ڈر، شرمندگی، محبت اور حیا سے بھرپور ہو۔ اس کی ایک ایک نعمت نظروں میں ہو اور اپنی طرف سے اس کے حقوق کی پامالی بھی۔ تو اس کیفیت میں دل یقیناً خاشع اور ڈرا ہوا ہوگا اور اعضاء وجوارح میں بھی یہ کیفیت در آئے گی۔

اور اس کے بالمقابل منافقانہ خشوع محض بناوٹ اور تکلف سے اعضاء پر طاری کیا ہوتا ہے، دل میں اس کا ذرا برابر بھی اثر نہیں ہوتا۔

بعض صحابہ سے یہ دعا منقول ہے:

«أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ خُشُوْعِ النِّفَاقِ» ''اے اللہ میں منافقانہ خشوع سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

الغرض! اللہ کا خاشع بندہ وہ ہے جس کے نفس امارہ سے خواہشات کی آگ بجھ چکی ہو۔ دل سے اس کا دھواں نکل چکا ہو۔ ان آلائشوں سے سینہ مجلّا ہو چکا ہو۔ اللہ کی عظمت کا نور اس کے چہرے میں دمکتا ہو اور نفس کی بے لگام

خواہشات اللہ کے خوف اور وقار کی وجہ سے مردہ ہوگئی ہوں۔ دل میں اللہ کی عظمت کا وقار جڑ پکڑ چکا ہو۔ اس کے اعضاء و جوارح میں سکون ہو۔ زبان و دل اس کے ذکر سے تسلی پاتے ہوں اور رب کی طرف سے ایک طرح کی سکینت اس پر نازل ہوتی ہو اور نفس اس (اللہ) کی طرف جھکنے والا بن چکا ہو۔

اور الْمُخْبِت مطمئن کو کہتے ہیں۔ وہ زمین جو دبی ہوئی اور پست ہو عربی میں خبت کہلاتی ہے کہ اس میں دباؤ، جھکاؤ اور ڈھلان کی وجہ سے پانی جمع ہو جاتا ہے اور یہی مثال ''قلبِ مخبِت'' کی ہے کہ اس میں اللہ کا ڈر ہوتا ہے اور ساتھ ہی اطمینان و سکون بھی جیسے کسی ڈھلان دار زمین کی طرف پانی بہہ آتا اور اس میں قرار پکڑ لیتا ہے۔

پھر اس کی علامت یہ بنتی ہے کہ بندہ اپنے اللہ کی عظمت اور اس کے جلال کے سامنے اپنی ذلت و انکساری کی انتہا کا اظہار کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑتا ہے۔ اس کا سر اس کے سامنے سجدے سے اٹھتا ہی نہیں جب تک کہ اس سے ملاقات نہ کر لے۔ کچھ اس طرح کی صورت بنتی ہے خشوع ایمانی کی!

مگر بناوٹ اور تکلف سے کمزوری سی ظاہر کرنا۔ جسے منافقانہ خشوع کہا گیا ہے یقیناً ایک تصنع ہوتا ہے جو اعضاء جسم پر طاری کیا گیا ہوتا ہے اور یہ سراسر ظاہر داری ہوتی ہے۔ جبکہ باطن میں نفس بالکل جوان، توانا خواہشات اور طرح طرح کی امیدوں اور تمناؤں سے بھرپور ہوتا ہے۔ بندہ ظاہر تو خشوع (اور تواضع) کرتا ہے مگر (جسم کی اس) وادی کا اژدہا اور جنگل کا شیر اس کے پہلو میں گھات لگائے اسے شکار کر لینے کے انتظار میں ہوتا ہے۔

(کتاب الروح، ص: 314)

جبکہ نماز میں خشوع تو صرف اسے ہی حاصل ہوتا ہے جو اپنے دل کو صرف اسی کے لیے خالی کرے، ادھر اُدھر کی مشغولیات سے منہ پھیر کر صرف اسی میں مشغول ہو، اپنی تمام تر مصروفیات کے مقابلے میں اپنی اس عبادت اور بندگی کو ترجیح دے، تبھی یہ (نماز) اس کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا اطمینان و سکون بنتی ہے جیسے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے: «وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ» ''اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو نماز میں ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے خاشع بندے اور خاشع بندیوں کا تذکرہ اپنے منتخب لوگوں میں فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ''اللہ نے ان کے لیے بڑی مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔'' (الأحزاب 33: 35)

خشوع کے فوائد

اس سے بندے کے لیے نماز کا بھاری عمل از حد ہلکا اور خفیف ہو جاتا ہے۔ فرمایا: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ ''صبر اور نماز کے ساتھ مدد حاصل کرو اور بلاشبہ یہ (نماز) بڑا بھاری عمل ہے مگر خاشعین کے لیے (نہیں)۔''

(البقرة 2: 45)

خشوع ایک عظیم الشان عمل ہے جو امت میں از حد نادر، بالخصوص ہمارے اس زمانے میں جو آخری زمانہ ہے اور بہت جلد مفقود ہو جانے والا ہے۔ ناطق بالوحی ﷺ کا فرمان ہے: «أَوَّلُ شَيْءٍ يُرْفَعُ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْخُشُوعُ حَتَّى لَا تَرَى فِيهَا خَاشِعاً» ''اس امت میں سب سے پہلے اٹھا لی جانے والی چیز خشوع ہوگی حتی کہ تم ان میں کسی کو خاشع نہیں پاؤ گے۔''

(صحيح الترغيب: 543)

سلف میں سے کسی بزرگ کا قول ہے کہ نماز کو ایک لونڈی کے ہدیہ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جو کسی بادشاہ کے حضور پیش کی جائے۔ تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر کوئی ہدیہ دینے والا ایک فالج زدہ، اندھی، کانی یا جس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے ہوں یا دائم المرض اور از حد قبیح و بدصورت لونڈی پیش کرے یا بے روح مردہ لونڈی دے.....۔

(تو اسی طرح) اس نماز کا کیا حال ہوگا جو بندہ اپنے رب تعالیٰ کے حضور پیش کرتا اور اس کے ذریعے سے اس کے ہاں اپنا قرب چاہتا ہو جب کہ «وَاللّٰهُ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّباً» ''اللہ عزوجل خود بے انتہا پاک و پاکیزہ ہے اور وہ ہمیشہ پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتا ہے۔''

اور ایسی نماز جو بالکل ہی بے روح ہو کسی طرح طیب اور پاکیزہ نہیں کہلا سکتی۔ جیسے کسی نے کسی جان یا غلام کو آزاد کرنا ہو تو اگر وہ کوئی مردہ غلام آزاد کر دے (تو اس کی وہ آزادی معتبر نہ ہوگی۔)

نماز میں خشوع کا حکم

نماز میں خشوع کے متعلق راجح حکم یہ ہے کہ یہ واجب ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَ اِنَّهَا

لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ ''صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو اور بلاشبہ یہ ایک بھاری عمل ہے سوائے ان کے جو عاجزی کرنے والے ہیں۔'' (البقرۃ2: 45)

اس آیت کریمہ کا تقاضا ہے کہ اس میں ان لوگوں کی مذمت ہے جن میں عجز اور خشوع نہ ہو۔ اور مذمت ہمیشہ کسی واجب کے ترک یا کسی حرام کے ارتکاب ہی کی ہوتی ہے۔

جب عاجزی نہ کرنے والے غیر خاشع مذموم اور برے لوگ ٹھہرے تو اس کا نتیجہ لازماً یہی ہے کہ خشوع اور عجز ایک لازمی عمل ہے۔

علاوہ ازیں اس کے واجب ہونے پر یہ آیت کریمہ بھی دلیل ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ O الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ..... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ﴾ ''مومن یقیناً فلاح پاگئے۔ وہ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو زکاۃ ادا کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں یا ان (کنیزوں) کے جن کے مالک ہوئے ان کے دائیں ہاتھ، تو بلاشبہ (ان کی بابت) ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو شخص ان کے علاوہ (رستہ) تلاش کرے تو ایسے لوگ ہی حد سے گزرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں۔'' (المؤمنون 23:1-10)

ان آیات کریمات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ صرف یہی لوگ ہی جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، یعنی دوسرے کسی طرح اس کے حق دار اور وارث نہ ہوں گے.....۔

اور جب نماز کے دوران میں خشوع واجب ہوا، اور یہ اعضاء کے سکون اور دل کی عاجزی کو متضمن ہے۔ تو جو شخص ٹھونگے مار مار کر نماز پڑھے، سجدے میں قرار نہ کرے، رکوع سے سر اٹھا کر کوئی ٹھہراؤ نہ کرے اور سجدے میں چلا جائے اس نے کوئی سکون نہیں کیا کیونکہ ''سکون'' ''اطمینان اور ٹھہراؤ'' کا نام ہے۔ اور جس میں ''اطمینان اور ٹھہراؤ'' نہ ہو اس نے ''سکون'' اختیار نہیں کیا، اور جس نے ''سکون'' نہیں کیا اس نے اپنے رکوع سجود میں خشوع نہیں کیا اور جو خشوع اختیار نہیں کرتا وہ اپنے اللہ کا عاصی اور نافرمان ہے۔

نماز میں خشوع کے واجب ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خشوع کے تارک کو بڑی سخت وعید (دھمکی) دی ہے جیسے کہ کوئی نماز کے دوران میں آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ تو یہ اس کی ایک لایعنی حرکت ہے۔ اس کا نماز کے دوران آسمان کی طرف نظر اٹھانا خشوع اور خاشع ہونے کی ضد ہے۔

(مجموع الفتاویٰ:22/553-558)

خشوع کے متعلق ترغیب وترہیب

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: «خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ أَحْسَنَ وُضُوْءَ هُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ، وَأَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَلَهُ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَلَهُ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ» ''پانچ نمازیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائی ہیں تو جو کوئی ان کا وضو خوبصورت بنائے (یعنی سنت کے مطابق کرے) اور انھیں ان کے وقت پر ادا کرے۔ ان کا رکوع اور ان کا خشوع کامل بنائے تو اس کے لیے اللہ کا عہد اور ذمہ ہے کہ اسے بخش دے گا۔ اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لیے اللہ عزوجل کے ہاں کوئی عہد و ذمہ نہیں ہے، چاہے تو اسے بخش دے اور اگر چاہے تو عذاب دے۔'' (سنن أبی داود: 425)

ایک اور فرمان میں ہے: «مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ [وفی روایة] لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ [وفی روایة] اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ» ''جو کوئی خوبصورت (یعنی سنت کے مطابق) وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے (اور ایک روایت میں ہے) ان میں اپنے جی سے کوئی باتیں نہ کرے تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں (اور ایک روایت میں ہے)..... تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔''

(صحیح البخاری: 159، وسنن نسائی:4957)

بحث کا خلاصہ

ہمارے سامنے دو باتیں آتی ہیں:

① اول یہ کہ ان اسباب کا اختیار کرنا جن سے خشوع حاصل ہو اور اسے تقویت ملے۔

② دوسرے ایسی چیزوں کا ازالہ اور انھیں دور کرنا جن سے خشوع ختم ہوتا یا کمزور ہو جاتا ہے.....

اور اسے ہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''خشوع کے معاونات'' سے تعبیر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: خشوع کے حصول میں دو چیزیں معاون ہوتی ہیں: ایک قوت وتوانائی (جو اس خشوع کی معاون ہو) دوسری مشغول کرنے والے امور۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل

ابو الحسن حافظ عبد الخالق

سوال: نماز پڑھتے ہوئے کیا عین قبلہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے یا جہت قبلہ ہی کافی ہے؟

جواب: جو شخص مسجد حرام میں نماز پڑھ رہا ہو اس کے لیے عین قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ عین قبلہ کی طرف منہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ کعبہ شریف کی عمارت دیکھ کر عین اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے لیکن دور کے لوگ اس بات کے مکلّف نہیں کہ عین عمارت کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں، ان کے لیے اجتہاد و تحری اور اندازے ہی سے سمت قبلہ کا تعین کر لینا کافی ہے، کیونکہ ان کے لیے عین قبلے کا تعین کرنا اور پھر اس طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بہت مشکل بلکہ ناممکن سی بات ہے، خصوصاً اس وقت جبکہ سمت قبلہ کے تعین کے لیے سائنسی آلات ایجاد نہیں ہوئے تھے، نیز ہم اس قسم کی جدید سائنسی مشینوں کے مکلّف بھی نہیں کہ انھیں ضرور استعمال میں لا کر عین قبلہ کا تعین کریں۔ لہٰذا جہت قبلہ کا تعین ہی ہمارے بس میں ہے، اور ہم اسی کے مکلّف ہیں۔

① اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کام کرنے کا پابند نہیں کرتا۔'' (البقرۃ2 : 286)

② نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''آپ جہاں سے نکلیں اپنا منہ (نماز کے لیے) مسجد حرام کی طرف کر لیا کریں۔'' (البقرۃ2: 149)

یہاں شطر سے مراد جہت ہے جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ اور دیگر نے فرمایا، عین قبلہ مراد نہیں، اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: «مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ» ''مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔'' (جامع الترمذی:342، 344، حدیث صحیح ہے۔ ارواء الغلیل للألبانی:324/1)

اس حدیث کی روشنی میں جہت قبلہ کے حوالے سے توسع کا ثبوت ملتا ہے۔ علماء و فقہاء کی تحقیق میں یہ حکم صرف اہل مدینہ کے لیے ہے یا جو علاقے اہل مدینہ کی سمت میں واقع ہیں، باقی علاقے اس حکم کے تحت نہیں آتے۔ (تحفة الأحوذی: 266/2)

③ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں خصوصاً اور بقیہ ادوار میں عموماً دور دراز کے علاقوں میں تعمیر ہونے والی مساجد کے قبلہ کا تعین فقط تحری و اجتہاد اور اندازے ہی کی بنیاد پر ہوتا تھا اور صرف صحیح سمت ہی کو متعین کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، اس دور میں عین قبلہ کا تعین یقیناً ناممکنات میں سے تھا۔

④ تحری اور تخمین و اجتہاد کے بعد بھی اگر لاعلمی کی بنا پر عین قبلہ کی طرف تو دور کی بات ہے، غیر جہت قبلہ کی طرف بھی نماز پڑھ لی ہو تو نماز ہو جاتی ہے، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عین قبلہ شرط نہیں بلکہ حسب امکان جہت قبلہ ہی کا تعین کیا جانا چاہیے، دلیل یہ ہے کہ عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک تاریک رات میں سفر میں تھے، ہم پر قبلہ مخفی ہو گیا۔ تو ہم میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی جہت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی اور ہم نے ان جہتوں پر نشان لگا لیے، جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی ہے، اس کی بابت ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''تمھاری نماز ہو گئی۔'' (جامع الترمذي: 345، وسنن ابن ماجه: 1020)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا واقعہ ملتا ہے۔ (تفصیل ملاحظہ ہو: ارواء الغلیل:323/1)

مذکورہ مسئلے کے بارے میں امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام علماء کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنے بندوں کو جس قبلہ کی طرف اپنی نمازوں میں منہ کرنے کا حکم دیا ہے، وہ مکہ میں کعبہ بیت الحرام

ہے، جو وہاں حاضر ہوا اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہو، اس پر اس کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور اگر اس نے اس کی طرف منہ کرنا ترک کیا جبکہ وہ اسے دیکھ رہا ہو یا اس کی جہت کا علم رکھتا ہو، تو اس کی نماز نہیں ہوتی اور اس نے اس طرح جو نمازیں پڑھی ہوں، ان سب کا اعادہ ضروری ہے۔ اور اسی طرح ان کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ جس شخص نے تحری واجتہاد کے بغیر ہی غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، تو اس کی نماز اسے کفایت نہیں کرے گی، لہٰذا اسے دوبارہ قبلہ رخ ہو کر اس کا اعادہ کرنا ضروری ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے بلا وضو نماز پڑھی ہو.....''
(التمهيدلابن عبدالبر: 54/17)

امام ابن رشد رحمہ اللہ لکھتے ہیں: تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحت نماز کے لیے بیت اللہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ جب آدمی بیت اللہ کو دیکھ رہا ہو تو علماء کے نزدیک عین قبلہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

لیکن اگر قبلہ نظروں سے اوجھل ہو تو اس حوالے سے وہ فرماتے ہیں کہ اس میں علماء کی دو آراء ہیں، جو صرف جہت قبلہ کی فرضیت کے قائل ہیں ان کی دلیل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: '' میں کہتا ہوں اگر عین قبلہ کا قصد کرنا واجب ہوتا تو یہ ایک قسم کی تنگی ہوتی جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: '' اور اس نے تمھارے اوپر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں رکھی۔'' (الحج 22:78)

الغرض مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ دور دراز کے لوگوں کے لیے حسب امکان جہت قبلہ کا تعین ہی کافی ہے، عین قبلہ شرط نہیں۔

سوال: کتے اور بلی کی خرید و فروخت کی بابت شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: جمہور اہل علم کے نزدیک کتے کی خرید و فروخت منع ہے، خواہ اس کا رکھنا جائز ہو یا ناجائز اور یہی بات صحیح ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ابو مسعود عقبہ فرماتے ہیں: «نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ» ''رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، زانیہ کی اجرت اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا ہے۔''
(صحيح البخاري:2237، وصحيح مسلم:1567)

نیز کتا کوئی خرید نے یا بیچنے والی چیز نہیں کہ اسے کمائی کا ذریعہ بنایا جائے، البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کتے کی خرید و فروخت کو جائز سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، چونکہ ہر کتے سے شکار اور حفاظت کا کام لیا جا سکتا ہے، لہٰذا ہر کتے کی خرید و فروخت جائز ہے، خواہ وہ سدھایا ہوا ہو یا نہ ہو جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک شکار کرنے والے کتے کی خرید و فروخت جائز ہے عام نہیں، لیکن جس حدیث میں شکاری کتے کا استثناء آتا ہے وہ سنداً ضعیف ہے، لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی بات اور قیاس صریح حدیث کے مقابلے میں قابل تسلیم نہیں۔ وہ اس حدیث کو اس دور سے متعلق بتاتے ہیں جب آپ نے کتے مارنے کا حکم فرمایا تھا، گویا ان کے نزدیک یہ وقتی پابندی تھی، لیکن یہ صرف ایک احتمال ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ واللہ اعلم
(تفصیل ملاحظہ ہو: سنن النسائی، حدیث: 4297، دارالسلام)

اسی طرح بلی بھی جس رنگ یا نسل کی ہو اس کی خرید و فروخت بھی ممنوع ہے، ابو زبیر فرماتے ہیں: «سَأَلْتُ جَابِراً عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ؟ فَقَالَ: زَجَرَ النَّبِيُّ عَنْ ذَلِكَ» ''میں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے کتے اور بلی کی قیمت کی بابت پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ نبی ﷺ نے اس سے ڈانٹا ہے۔'' (صحيح مسلم: 1569)

سوال: مسجد کی لیٹرینوں کو ٹھیکے پر دینا اور پھر اس کی کمائی مسجد پر لگانا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: مسجد کی لیٹرینوں کو ٹھیکے پر دینا اور پھر اس کی کمائی کو مسجد پر لگانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، کیونکہ ہر وہ کام یا پیشہ یا ذریعۂ معاش جو شرعاً فی نفسہ ممنوع یا حرام نہیں، اس کی کمائی بھی حرام نہیں بلکہ حلال ہے، خواہ کمانے والا کوئی شخص بھی ہو، کتاب وسنت کے عمومی دلائل سے اسی کی تائید ہوتی ہے، لہٰذا اس قسم کی کمائی اگر مسجد کی کسی بھی مد میں صرف کر لی جائے تو ہمارے ناقص فہم کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں اگر اس قسم کی کمائی مسجد پر لگانے سے بچا جائے تو یقیناً مستحب اور بہتر ہے، کیونکہ کچھ پیشے شرعاً حلال ہونے کے باوجود کمائی کے اعتبار سے قابل ستائش نہیں، بلکہ ان میں ایک قسم کی دناءت اور خست کا پہلو غالب ہے، جیسے حجامت (سینگی لگانے) کا پیشہ کہ اس کی اباحت کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اسے ناپسند کیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''سینگی لگانے والے کی کمائی ناپسندیدہ ہے۔'' (صحيح مسلم:41/1568)



ماہِ شعبان اور شب براءت

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ مدیر: شعبہ تحقیق وتصنیف دارالسلام، لاہور

فضیلت ماہِ شعبان

شعبان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں نبیٔ کریم ﷺ رمضان کے علاوہ تقریباً پورے مہینے کے روزے رکھتے تھے۔ صرف آخر میں دو ایک روزے ترک فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کسی مہینے کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے رمضان المبارک کے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(صحيح البخاري: 1969، وصحيح مسلم: 1156)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کو (نفلی) روزوں کے لیے سب سے محبوب مہینہ شعبان تھا، پھر آپ اسے گویا رمضان ہی سے ملا دیا کرتے تھے۔''

(سنن أبي داود: 2431)

کثرت سے روزے رکھنے کی حکمت

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک روز سوال کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ماہ شعبان میں جس قدر (نفلی) روزے رکھتے ہیں، کسی اور مہینے میں اتنے روزے نہیں رکھتے؟ (یہ کیا بات ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: «ذٰلِكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَرَمَضَانَ، وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيهِ الْأَعْمَالُ إِلٰى رَبِّ الْعَالَمِينَ فَأُحِبُّ أَنْ يُّرْفَعَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ» ''یہ مہینہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے، لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں۔ اس مہینے میں (لوگوں کے) عمل رب العالمین کے حضور پیش کیے جاتے ہیں اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے عمل جب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں تو اس وقت میں روزے سے ہوں (اس لیے شعبان میں روزے کثرت سے رکھتا ہوں۔)''

(سنن النسائي: 2359)

اس حدیث سے شعبان میں نبی اکرم ﷺ کے بکثرت روزہ رکھنے کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ اس مہینے میں بالخصوص اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں۔

احتیاط کی ضرورت

گزشتہ تفصیل سے واضح ہے کہ شعبان میں نفلی روزے کثرت سے رکھنا نبی ﷺ کا معمول تھا، تاہم آپ نے اپنی امت کے لوگوں کو نصف شعبان کے بعد روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے: «إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُومُوا» اس ممانعت سے مقصود یہ ہے کہ طاقت، توانائی بحال رہے تاکہ رمضان کے فرضی روزے رکھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

(سنن أبي داود: 2337)

اسی طرح آپ نے رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے تاکہ استقبالِ رمضان کے نام پر لوگ جشن کی سی کیفیت نہ بنالیں، آپ نے فرمایا: ''رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے مت رکھو، مگر جو شخص کسی دن کا روزہ رکھتا رہا ہو تو وہ رکھ لے۔''

(سنن أبي داود: 2335.)

یعنی کسی کا معمول ہے کہ وہ ہر پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتا ہے یا صومِ داؤدی رکھتا ہے تو یہ روزے اگر رمضان سے دو تین دن قبل واقع ہوں، تو وہ یہ روزے رکھ سکتا ہے۔

شب براءت (شعبان کی پندرھویں)

شعبان کی پندرھویں رات کی بابت متعدد روایات آتی ہیں، جن میں اس رات کی بعض

فضیلتوں کا ذکر ہے لیکن یہ روایات، ایک آدھ روایت کے علاوہ، سب ضعیف ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کثرتِ طُرق سے مروی ہیں، اس لیے بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ اس رات کی کچھ نہ کچھ اصل ہے، بنا بریں اس رات کی کچھ نہ کچھ فضیلت ضرور ہے۔ اور دوسرے علماء کی رائے میں ضعیف روایات قابل عمل نہیں، چاہے وہ تعداد میں کتنی ہی ہوں۔ ان علماء کے نزدیک اس رات کی کوئی خاص اصل نہیں۔

چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ اور شعیب ارناؤوط رحمہ اللہ وغیرہ نے کثرت طرق کی بنا پر اس ایک روایت کو صحیح قرار دیا ہے، جبکہ باقی سب روایات ضعیف یا موضوع ہیں، وہ ارشاد گرامی درج ذیل ہے: «يَطَّلِعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى إِلٰى خَلْقِهٖ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهٖ، إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْمُشَاحِنٍ» ''اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات کو اپنی پوری مخلوق کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھتا ہے، پھر مشرک اور کینہ پرور کے سوا باقی ساری مخلوق کی بخشش کر دیتا ہے۔''

(صحيح ابن حبان: 1980، وشعب الإيمان للبيهقي: 288/2، والسلسلة الصحيحة: 1144)

جبکہ ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کے طریق سے اسی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں: ''بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات کو اپنے بندوں پر رحمت کی نظر ڈالتا ہے، پھر مومنوں کو معاف کر دیتا اور کافروں کو ڈھیل دے دیتا ہے۔ اور کینہ پرور لوگوں کو چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے دلوں کو کینہ سے پاک کر لیں۔''

(المعجم الكبير للطبراني: 109,108/20، حديث: 215)

یہی وہ حدیث ہے جو شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت میں بقول شیخ البانی مسند ہے، اس کے علاوہ جتنی احادیث عام طور پر بیان کی جاتی ہیں اور جنھیں اخبارات اور محفلوں کی زینت بنایا جاتا ہے وہ سب کی سب سنداً انتہائی کمزور بلکہ من گھڑت ہیں۔

ضعیف اور موضوع روایات

شب براءت کی نسبت سے جو کمزور اور من گھڑت حدیثیں عام طور پر بیان کی جاتی ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

① ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «شَعْبَانُ شَهْرِي، وَرَمَضَانُ شَهْرُ اللّٰهِ» ''شعبان میرا اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔'' (اس کی سند حسن بن یحییٰ الخشنی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ محدث البانی کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: السلسلة الضعيفة: 222/8، حديث: 3746)

② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر موجود نہ پا کر میں باہر نکلی تو اچانک دیکھا کہ آپ بقیع قبرستان میں تھے، آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ''کیا تمھیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر ظلم کریں گے؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے یہ شک ہوا تھا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے پاس چلے گئے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات کو آسمان دنیا پر آتا ہے، پھر اتنے لوگوں کی مغفرت کرتا ہے جتنے بنو کلب کی بکریوں کے بال ہیں۔''

(جامع الترمذي:739، وسنن ابن ماجه: 1389، ضعفه الألباني)

دیگر ائمہ کے علاوہ خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اس روایت کی تضعیف امام بخاری رحمہ اللہ سے بھی نقل کی ہے۔ یہ روایت نقل کرنے کے بعد اس کے ساتھ ہی وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا، وہ فرماتے تھے: یہ روایت ضعیف ہے۔

③ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب شعبان کی پندرھویں رات آئے تو اس میں قیام کیا کرو اور اس کے دن کا روزہ رکھا کرو کیونکہ اس رات کی شام سے ہی اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر آ کر فرماتا ہے: کیا کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو معاف کر دوں؟ کیا کوئی رزق طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو رزق دوں؟ کیا کوئی بیمار ہے کہ میں اسے عافیت دوں؟ کیا کوئی سوال کرنے والا ہے کہ میں اسے دوں؟ کیا کوئی ..... کیا کوئی ..... یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔''

(سنن ابن ماجه: 1388، وضعيف الجامع الصغير للألباني، حديث: 652، واللفظ له. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے، دیکھیے: السلسلة الضعيفة: 154/5، حديث: 2132)

یہ حدیث بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔ اس کے بجائے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے: ''ہمارا بابرکت اور بلند و بالا رب ہر رات کا جب آخری تہائی حصہ باقی ہوتا ہے تو وہ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، پھر کہتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا کو قبول کروں؟

کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے معافی طلب کرے تو میں اسے معاف کر دوں؟'' مسلم کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ ''پھر وہ بدستور اسی طرح رہتا ہے یہاں تک کہ فجر روشن ہو جاتی ہے۔''

(صحيح البخاري: 1145، وصحيح مسلم: 758)

اس صحیح حدیث کے مطابق یہ فضیلت ہر رات نصیب ہو سکتی ہے، لہٰذا اسے شعبان کی پندرھویں رات کے ساتھ خاص کرنا یقیناً غلط ہے۔

④ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان کی پندرھویں رات کو دیکھا آپ کھڑے ہوئے اور چودہ رکعات نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص سورۂ فلق اور سورۂ ناس چودہ چودہ مرتبہ پڑھیں اور آیت الکرسی ایک مرتبہ پڑھی، جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے آپ سے مذکورہ نماز کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: ''جس نے ایسے کیا جیسے تو نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا ہے تو اسے بیس مقبول حجوں کا ثواب اور بیس سال کے مقبول روزوں کا ثواب ہوگا اور اگر اس نے اس دن کا روزہ رکھا تو ساٹھ سالہ گزشتہ روزوں اور ایک سال آئندہ روزوں کا ثواب ہو گا۔'' (الموضوعات لابن الجوزي: 52/2)

ابن جوزی نے اس حدیث کو ''الموضوعات'' میں روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ حدیث بھی من گھڑت ہے اور اس کی سند نہایت تاریک ہے۔

امام سیوطی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ عین ممکن ہے کہ یہ موضوع (من گھڑت) ہو۔

(تنزيه الشريعة عن الأحاديث الموضوعة لابن عراق: 94/2)

⑤ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے شعبان کی پندرھویں رات میں بارہ رکعات نماز ادا کی اور ہر رکعت میں تیس 30 مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی تو وہ جنت میں اپنی جگہ دیکھ لیتا ہے اور اپنے اہل میں سے دس جہنمیوں کے بارے میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔''

(الموضوعات لابن الجوزي: 52,51/2)

امام ابن جوزی نے اس روایت کو ''الموضوعات'' میں ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے۔

⑥ الصلاة الألفية، یعنی وہ نماز جس کے بارے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: ''جو شخص اس رات میں سو رکعات نماز اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت پوری کر دیتا ہے، اگر وہ لوح محفوظ میں بدبخت لکھا گیا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے مٹا کر اسے خوش نصیب لکھ دیتا ہے ..... اور اس کے آئندہ ایک سال کے گناہ نہیں لکھے جاتے۔''

(الموضوعات لابن الجوزي: 51,50/2)

''الموضوعات'' میں ابن الجوزی اس حدیث کے مختلف طرق ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

یہ اور اس قسم کی دیگر احادیث جن میں شعبان کی پندرھویں رات کی عبادت کی فضیلت بیان کی گئی ہے بالاتفاق ضعیف اور من گھڑت ہیں۔ ائمۂ کرام، مثلاً: امام شوکانی، ابن الجوزی، ابن حبان، قرطبی اور سیوطی وغیرہم نے ان روایات کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: الفوائد المجموعة، الموضوعات الكبرىٰ، تفسير القرطبي، اللآلي المصنوعة، وغیرہ۔

شب براءت میں کیا کرنا چاہیے؟

اب سوال یہ ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت کے متعلق جس حدیث کو بعض محققین نے صحیح قرار دیا ہے کہ (اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات کو اپنی پوری مخلوق کی طرف (بنظر رحمت) دیکھتا ہے، پھر مشرک اور کینہ پرور کے سوا باقی ساری مخلوق کی بخشش کر دیتا ہے۔)

آیا اس روایت کی روشنی میں ہمیں خوشی کا یا خصوصی عبادت کا اہتمام کرنا چاہیے؟

لیکن کیا اس میں کسی محفل کے جمانے کا ذکر ہے یا کسی خاص عبادت، چراغاں یا آتش بازی کا ذکر کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب ہر وہ شخص دے سکتا ہے جو خرافات اور من گھڑت روایات پر اعتماد کرنے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف ستھری شریعت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس حدیث کا اگر بنظر انصاف مطالعہ کیا جائے تو واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں کسی محفل جمانے، عبادت کرنے، چراغاں اور آتش بازی وغیرہ کا ذکر نہیں، بلکہ جس چیز کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کی عام مغفرت کا جس کا مستحق ہر وہ شخص ہے جو شرک اور کینہ پروری سے محفوظ ہے، لہٰذا اس رات کو عام بخشش کا مستحق بننے کے لیے ہر انسان کو چاہیے کہ اپنا عقیدہ شرک سے پاک کرے، اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے متعلق اپنا دل صاف رکھے اور کسی سے حسد، بغض اور

کینہ نہ رکھے، یہ چیزیں انسان کی نجات کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات کی جو فضیلت رسول اللہ ﷺ نے بیان کی کہ مشرک اور کینہ پرور کے علاوہ ہر مسلمان کی بخشش ہوتی ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ اپنے آپ کو ان گناہوں سے بچایا جاتا لیکن آج کا جاہل مسلمان الٹا اپنے آپ کو اس رات میں ان دونوں گناہوں میں ملوث کرتا ہے ایک طرف محافل کا انعقاد کر کے ان میں جھوٹی اور من گھڑت احادیث بیان کرنے کے علاوہ نعت خوان اور مقررین رسول اکرم ﷺ سے استغاثہ کرتے ہیں اور آپ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں، یعنی دوسرے لفظوں میں کھلم کھلا شرک کرتے ہیں اور اللہ سے مغفرت کی بھی امید رکھتے ہیں اور دوسری طرف آتش بازی کے ذریعے سے اپنے ہی بھائیوں کو پریشان کر کے انسان دشمنی کا بھی ثبوت دیا جاتا ہے جس سے اس حدیث کی رو سے بچنا نہایت ضروری ہے، کیسی ستم ظریفی ہے کہ بخشش الٰہی سے محروم ہوجانے والے کام بھی کیے جائیں اور جہنم سے آزادی کے پروانے کی بھی امید رکھی جائے۔

شب براءت میں عبادت؟

یہ بھی سوال ہوسکتا ہے کہ اگر اس رات میں مغفرت کا ثبوت ملتا ہے تو پھر اس میں خصوصی عبادت میں کیا حرج ہے؟

اس کے دو جواب ہیں:

اولاً: اللہ تعالیٰ کی خصوصی بخشش کا ثبوت صرف پندرھویں شعبان کی رات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہی خصوصی بخشش سوموار اور جمعرات کے دن بھی ہوتی ہے، جیسے پیچھے صحیح حدیث ذکر کی جا چکی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کو بخشنے کے لیے ہر رات پہلے آسمان پر نزول فرما کر ندا لگاتا ہے، اس لیے ایک مسلمان کو تو ہر رات ہی اللہ کی عبادت کے لیے اہتمام کرنا چاہیے، نہ کہ خصوصی طور پر صرف شعبان کی پندرھویں رات کو جس کا کوئی ثبوت بھی نہیں۔

ثانیاً: شعبان کی پندرھویں رات میں نبی ﷺ سے کوئی خصوصی عبادت ثابت نہیں ہے اور جو روایات نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کی جاتی ہیں، وہ سب من گھڑت اور موضوع ہیں جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، لہٰذا اپنی طرف سے کسی دن یا رات یا کسی بھی وقت کو عبادت کے ساتھ خاص کرنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''راتوں میں سے صرف جمعے کی رات کو قیام کے لیے اور دنوں میں سے صرف جمعے کے دن کو روزہ کے لیے خاص نہ کرو۔ ہاں اگر جمعے کا دن ان دنوں میں آجائے جن میں تم میں سے کوئی روزہ رکھنے کا عادی ہو تو اس کا روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔''

(صحیح مسلم: 1144)

اگر کسی رات کو عبادت کے ساتھ خاص کیا جاسکتا ہوتا تو جمعہ کی رات ہفتے کے دنوں میں سے افضل ترین تھی، لہٰذا اسے خاص کیا جاتا لیکن نبی ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے اور نبی ﷺ کی سیرت ہی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے، آپ نے اگر کسی دن یا رات کو عبادت کے لیے خاص کیا ہے تو اس کا حکم بھی دیا ہے اور اہتمام بھی فرمایا ہے، جیسے صحیح احادیث میں رمضان کی راتوں اور لیلۃ القدر کے بارے میں ہے کہ آپ نے قیام کیا اور اس کی فضیلت بیان کر کے لوگوں کو ترغیب بھی دلائی، لہٰذا اگر شعبان کی پندرھویں رات میں محافل جمانے، عبادت کرنے اور دوسرے افعال کرنے کی کوئی فضیلت ہوتی تو آپ اپنی امت کو ضرور مطلع فرماتے اور خود بھی اہتمام فرماتے۔

کیا شب براءت فیصلوں کی رات ہے؟

شب براءت منانے والوں کا نظریہ ہے کہ یہ رات فیصلوں کی رات ہے۔ اور دلیل میں سورۂ دخان کی درج ذیل آیات مبارکہ پیش کرتے ہیں:

﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾ ''یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے۔ بے شک ہم ڈرانے والے ہیں۔ اس رات میں ہر مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔'' (الدخان 44:3,4)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ''بابرکت رات'' کا ذکر آیا ہے جس میں قرآن مجید کو اتارا گیا اور جس میں سال بھر میں ہونے والے واقعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے، یہ حضرات اس ''بابرکت رات'' سے مراد شعبان کی پندرھویں رات لیتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا واقعتاً ''بابرکت رات'' سے مراد شعبان کی پندرھویں رات ہے یا کوئی اور رات مراد ہے۔

اگر ہم اس آیت کی تفسیر اپنی رائے اور منشاء کے مطابق کرنے کے بجائے خود قرآن مجید ہی سے تلاش کریں تو اس سوال کا جواب ہمیں مل جاتا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے

قرآن مجید کے نزول کے متعلق صراحت سے فرمایا ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ ''رمضان کے مہینے میں قرآن نازل کیا گیا۔'' (البقرة 2:185)

اور جس رات میں نازل کیا گیا اس کی صراحت بھی فرما دی کہ «اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ» ''بے شک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔'' (القدر 97:1)

جو کہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی ایک رات ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کا مہینہ اور اس مہینے کی خاص رات جس میں نبی ﷺ پر قرآن کا نزول شروع ہوا یا لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر بیت العزت میں اتارا گیا، اس کی بھی صراحت فرما دی ہے، جسے دوسری جگہ لیلۂ مبارکہ بھی کہا گیا ہے، لیلۂ مبارکہ کی قرآنی تفسیر سے پتا چلتا ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہی ہے جس میں قرآن اتارا گیا اور اسی میں سال بھر کے حادثات و وقائع کا فیصلہ بھی کیا جاتا ہے، جمہور مفسرین کا یہی موقف ہے۔ نص قرآنی کے مقابلے میں ضعیف روایات سے لیلۂ مبارکہ کی تفسیر پندرھویں شعبان کی رات سے کرنا جائز نہیں بلکہ باطل ہے، لہٰذا شعبان کی پندرھویں رات کو فیصلوں کی رات قرار دینا یکسر غلط ہے۔

پندرہ شعبان کا روزہ ثابت نہیں

سنن ابن ماجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: «إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُومُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا نَهَارَهَا.....الحديث» ''شعبان کی پندرھویں رات کو قیام، یعنی عبادت کرو اور دن میں روزہ رکھو.....'' (سنن ابن ماجه : 1388. محدث البانی نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھیے: السلسلة الضعيفة للألباني: 154/5، حديث: 2132)

اس روایت کی بنا پر بہت سے لوگ شعبان کی پندرہ تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایت پایۂ اعتبار سے بالکل ساقط ہے۔ البتہ صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی ﷺ ہر مہینے کے ایام بیض (13، 14، 15 تاریخ) کے روزے رکھتے تھے۔ اس حدیث کی رو سے اگر کوئی شخص شعبان کے مہینے میں یہ تین روزے رکھ لے تو یہ سنت کے مطابق کام ہوگا، اس لیے روزہ رکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ صرف 15 شعبان کا ایک روزہ نہ رکھیں بلکہ تین روزے رکھیں، 13، 14، 15 شعبان کا۔ اور ان روزوں کو بھی شعبان کے ساتھ خاص نہ کیا جائے۔

حلوے مانڈے اور آتش بازی اور غلط عقیدے

شعبان کی پندرھویں رات کو اور بھی بعض کام ایسے کیے جاتے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں، جیسے حلوے مانڈوں کا خصوصی اہتمام۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اس روز مُردوں کی روحیں آتی ہیں، حالانکہ یہ عقیدہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ اگر دنیا سے جانے والے اللہ کے نافرمان ہیں تو وہ اللہ کے ہاں قیدی ہیں، وہ اللہ کی قید سے نکل کر آ ہی نہیں سکتے۔ اور اگر وہ نیک تھے تو وہ اللہ کے ہاں مہمان ہیں اور اللہ نے ان کے لیے جنت میں بہترین نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، وہ جنت کی اعلیٰ اور لذیذ ترین نعمتیں چھوڑ کر دنیا میں کس طرح آئیں گے؟ یعنی کسی لحاظ سے بھی روحیں دنیا میں نہیں آسکتیں۔

اسی طرح اس رات کو چراغاں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور خوب آتش بازی کی جاتی ہے، حالانکہ یہ بھی مشرک قوموں کا شعار ہے۔ مجوسیوں (آتش پرستوں) میں یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ خوشی کے موقع پر آتش بازی اور چراغاں کرتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ ہندوؤں نے اپنایا اور ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی اس بے ہودہ رسم کو اختیار کر لیا جیسا کہ اس سے پہلے ''چراغاں اور آتش بازی کا رواج اور اس کی حقیقت'' والے مضمون میں اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

بہرحال اس رات آتش بازی اور حلوہ پوری وغیرہ پکا کر ایصالِ ثواب کرنا، یہ سب ایجادِ بندہ چیزیں ہیں جن کا کوئی ثبوت شریعتِ مطہرہ میں نہیں ہے۔ ہر مسلمان کو ان چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے اور اپنے متعلقین کو بھی سمجھانا چاہیے تاکہ ان کے ذہنوں میں سنت اور بدعت کا فرق واضح ہو، دراصل ان رسوم و رواج نے حقیقت پر پردہ ڈال رکھا ہے اور خرافات ہی کو دین سمجھ لیا گیا ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا. آمین!

خصوصی دعا کی اپیل

مفسر قرآن محترم حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کئی ماہ سے خاصے علیل ہیں۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ ان کی صحت یابی کے لیے زیادہ سے زیادہ دعائیں کریں۔



غیبت ایک سنگین جرم!

چوہدری محمد یٰسین ظفر، پرنسپل جامعہ سلفیہ

بعض برائیاں ایسی ہوتیں ہیں جن کے اثرات سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک غیبت ہے۔ غیبت فساد فی الارض کا باعث ہے۔ اس سے بدگمانی اور دوسروں سے نفرت بھی بڑھتی ہے۔ یہ ایک سنگین معاشرتی جرم ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور تم ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو، اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تو (ظاہر ہے کہ) تم اسے ناپسند کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے'' (الحجرات 12:49)

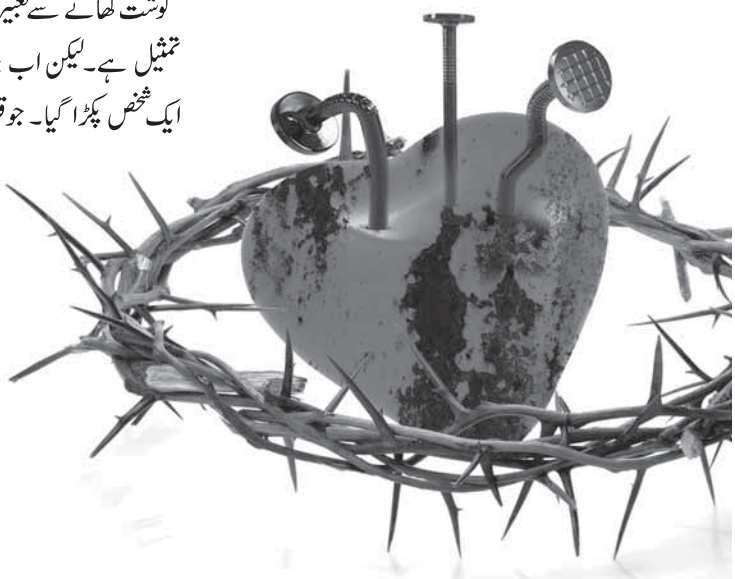
غیبت کیا ہے؟ اس کے لیے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث رہنمائی کرتی ہے۔ جسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا: مَا الْغِيْبَةُ؟ ''غیبت کیا ہے؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: «ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ» ''اپنے بھائی کا ایسا تذکرہ کرنا جسے وہ ناپسند کرے۔'' سوال کرنے والے نے پھر پوچھا: «أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيْهِ مَا أَقُولُ» آپ کیا فرماتے ہیں۔ میرے اس بھائی میں واقعی وہ بات موجودہ ہو جو میں کہہ رہا ہوں۔ اس میں کیا حرج ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ» ''اگر اس میں وہ بات ہے جو تو اس کی عدم موجودگی میں کہہ رہا ہے۔ تو یہ غیبت ہے۔'' «وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهَتَّهُ» ''اگر اس میں وہ بات نہیں جو تو کہہ رہا ہے تو یہ بہتان ہے۔'' (جامع الترمذي: 1934)

بات واضح ہوگئی کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کی عیب جوئی کرنا ''غیبت'' ہے۔ اور اگر اس میں عیب نہیں تو پھر الزام تراشی اور بہتان ہے۔ اور اس پر سخت وعید آئی ہے۔

قرآن حکیم نے تو اسے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے۔ اگرچہ یہ ایک تمثیل ہے۔ لیکن اب چند دن قبل ضلع لیہ میں ایک شخص پکڑا گیا۔ جو قبروں سے مردے نکال کر کھاتا ہے۔ اس خبر کی اشاعت پر سب نے شدید نفرت کا اظہار کیا۔ اور تعجب کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی مردے کا گوشت کھائے۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ جو اخبارات کے ذریعے سامنے آئی ہے۔ اس پر تو ہم اپنی نفرت اور کراہت کا اظہار کر رہے ہیں۔ لیکن خود روزانہ دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہیں۔ غیبت کرتے ہیں۔ جو کہ مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ لیکن اس پر افسوس اور نفرت کا اظہار نہیں کرتے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر کوئی شخص غیبت کرنے سے باز نہیں آتا، توبہ نہیں کرتا تو قیامت کے دن وہ اس عذاب میں مبتلا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَكَلَ لَحْمَ أَخِيْهِ فِي الدُّنْيَا قُرِّبَ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ: كُلْهُ مَيْتاً كَمَا أَكَلْتَهُ حَيًّا فَيَأْكُلُهُ وَيَكْلَحُ وَيَضِجُّ» ''جو دنیا میں اپنے کسی بھائی کی غیبت کرتا رہا۔ قیامت کے دن اس کو مردار پیش کیا جائے گا کہ اسے کھاؤ جیسے دنیا میں زندہ کھاتا رہا۔ وہ اسے ٹیڑھا منہ بنا کر کھائے گا۔''

(السلسلة الضعيفة: 6316)





دنیا میں انسان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو سکتا ہے۔ مگر قیامت کے روز ایسا ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ حکم دیں اور وہ بات تسلیم نہ کرے۔ اس لیے کہ وہاں ایسے فرشتے متعین ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرالیں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے معراج کی رات جہنم میں دیکھا: «وَنَظَرَ فِي النَّارِ فَإِذَا قَوْمٌ يَأْكُلُونَ الْجِيفَ، قَالَ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ! قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ» ''جہنم میں ایسی قوم کو دیکھا جو مردار کھا رہے ہیں۔ جبرئیل امین سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں غیبت کرتے تھے۔'' (مسند أحمد: 257/1) آپ ﷺ نے فرمایا: «مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ اَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمُشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَاجِبْرِيْلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِي اَعْرَاضِهِمْ» ''میں ایسی قوم سے گزرا جن کے لمبے لمبے ناخن تھے اور وہ ان کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ جبرئیل یہ کون ہیں؟ فرمایا: غیبت کرنے والے اور لوگوں کی عزتوں کو پامال کرنے والے لوگ ہیں۔''
(مسند أحمد: 224/3)

غیبت بڑا جرم ہے۔ اس سے تعلقات متاثر ہوتے ہیں۔ جس کی غیبت کی جائے اس کے بارے میں لوگ بدگمانی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ وہ شخص ایسا ویسا ہے تو نتیجتاً اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ حتی کہ دوری پیدا ہو جاتی ہے۔ بلاوجہ دل میں گرہ بڑھ جاتی ہے۔ اور یہ بات ایک مجلس سے دوسری، دوسری مجلس سے تیسری مجلس میں پہنچ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ شخص بدنام ہو جاتا ہے۔ اور وہ لوگ اس کو نشان عبرت بنا دیتے ہیں۔

آج معاشرے میں یہ برائی حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کوئی مجلس اس عیب سے خالی نہیں۔ شادی کی تقریب ہو۔ لوگ ٹولیاں بنا کر یہ کام کر رہے ہوتے ہیں۔ کوئی سیاست دانوں کی بات کر رہا ہے تو کوئی علماء کی۔ کوئی وکلاء کی بات کر رہا ہے تو کوئی تاجروں کی۔ حتی کہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جنازوں پر بھی لوگ باز نہیں آتے۔ جنازہ کے انتظار میں کھڑے غیبت کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غیبت صرف زندہ لوگوں کے بارے میں ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر کوئی فوت شدہ کے بارے میں بھی بات کرے تو غیبت ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا: «لَا الْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا، قِيْلَ: وَكَيْفَ؟ قَالَ: اَلرَّجُلُ يَزْنِي ثُمَّ يَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَإِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَايُغْفَرُ لَهُ حَتّٰى يَغْفِرَلَهُ صَاحِبُهُ» ''غیبت بدکاری سے بڑا جرم ہے۔ پوچھا گیا: وہ کیسے؟ فرمایا: ایک شخص بدکاری کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔ لیکن غیبت کرنے والے کو اس وقت تک معافی نہیں مل سکتی جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہو۔''
(السلسلة الضعيفة: 1846)

لوگوں کی غیبت اور عیب جوئی بڑا جرم ہے۔ خصوصاً آپ نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے: «لَا تَغْتَابُوْا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ» ''مسلمانوں کی غیبت اور عیب جوئی نہ کرو۔ جو مسلمانوں کے عیب تلاش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کے پردے چاک کر دیتا ہے اور جس کے پردے اللہ چاک کر دے۔ وہ ذلیل و رسوا ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ اپنے گھر کے کمرے میں بند ہو کر ہی جرم کیوں نہ کرے۔'' (مسند أحمد: 420/4)

مسلمان کے لیے اسلامی تعلیمات یہی ہیں کہ وہ کم بولے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ» ''اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہ بولنا چاہتا ہے تو بہتر بات کرے ورنہ خاموشی اختیار کرے۔'' (صحيح مسلم: 47) اور فرمایا: «اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ» ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' (صحيح مسلم: 41)

غور و فکر کا مقام یہ ہے کہ کیا آج ہم سب ایک دوسرے سے محفوظ و مامون ہیں؟ کیا آج ہم ایک دوسرے کے لیے باعث راحت ہیں؟ کیا ہم ایک دوسرے کے عیبوں پر پردہ ڈالتے ہیں؟ لمحہ فکریہ! اگر اس کا جواب ناں میں ہے تو پھر غور و فکر کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کیا ہم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو سکیں گے۔

غیبت کرنے والا دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے یا حسد کی بنیاد پر غیبت کرتا ہے۔ ہمیں اس سے بچنا چاہیے اور وہ راستہ اختیار کرنا چاہیے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غیبت سے بچائے۔ آمین!



دکان یا مکان کی پگڑی / سلامی شریعت کی نظر میں

حافظ عبدالسمیع بن ڈاکٹر محمد نواز سجاد

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم
أما بعد!

پگڑی کا لین دین بھی ان مسائل میں سے ہے جن پر ہر بڑے شہر میں عمل ہو رہا ہے اور یہ ایک سماجی، معاشی مسئلہ ہے جیسے جیسے ہمارا ملک صنعتی وتجارتی ترقی کی طرف گامزن ہوتا جا رہا ہے پگڑی کے رواج میں بھی ترقی ہو رہی ہے۔

ان علاقوں میں جہاں صنعتی و تجارتی سرگرمیاں تیز نہیں ہوئیں وہاں ابھی پگڑی کا مسئلہ نہیں ابھرا۔ پگڑی کا رواج سب سے زیادہ ان شہروں میں ہے جو ملک کے اہم ترین شہر کہلاتے ہیں۔ یہاں پگڑی کی جیب پر پکڑ بھی بہت سخت ہے، یعنی شرح کے لحاظ سے اسلام آباد، لاہور، کراچی جیسے شہر میں پگڑی بہت اونچی وصول کی جاتی ہے۔ ان شہروں میں معمولی رقبہ کی زمین اور معمولی لاگت کی عمارت کی صرف پگڑی ہی اتنی ہوتی ہے کہ دوسرے چھوٹے شہروں میں وہی جائیداد اس سے بہت کم رقم میں خریدی یا تعمیر کرائی جاسکتی ہے۔

پگڑی کی تعریف

علامہ زرقانی نے پگڑی کی عمومی تعریف یوں کی ہے: «هو اسم لمايملكه دافع الدراهم من المنفعة التي دفع في مقابلتها الدراهم» ''یہ اس منفعت کا نام ہے جسے دراہم (رقم) کی ادائیگی کے بدلے ادا کرنے والا حاصل کرتا ہے۔'' (الموسوعة الفقهية)

پگڑی/ سلامی کا مفہوم

بسا اوقات مالک مکان یا مالک دُکان اپنا مکان یا دُکان طویل مدت کے لیے کرایہ پر دیتا ہے اور کرایہ کے علاوہ کچھ رقم یک مشت لیتا ہے۔ کرایہ دار یک مشت رقم دے کر اس بات کا حق دار ہو جاتا ہے کہ کرایہ داری طویل مدت تک یا تاحیات باقی رکھے، پھر بسا اوقات کرایہ دار اپنا یہ حق دوسرے کرایہ دار کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور اس سے یہ رقم لیتا ہے جس کی بنا پر دوسرا شخص مالک مکان و دکان سے عقد اجارہ کا حق دار ہو جاتا ہے۔ اگر مکان یا دکان کا مالک کرایہ دار سے مکان یا دکان واپس لینا چاہے تو اس کے ذمہ لازم ہوتا ہے کہ کرایہ دار کو اتنی رقم ادا کرے جس پر دونوں راضی ہوں۔

اس یک مشت لی جانے والی رقم کو مختلف بلاد عربیہ میں «الخلو» اور «جلسة» کہا جاتا ہے اور ہندو پاک میں ''پگڑی'' اور ''سلامی'' کہتے ہیں۔ تاہم بعض دیگر ممالک: مثلاً عراق میں «السرقفلية» شام میں «الفروغ» اور مصر میں «المفتاح یا الزينة» کہا جاتا ہے۔

ذاتی پراپرٹی میں پگڑی/ سلامی کے اثرات

① یہ رقم ناقابل واپسی ہوتی ہے جو دُکان کا مالک کرایہ دار سے ماہانہ کرایہ کے علاوہ یک مشت وصول کرتا ہے۔ ② عام طور پر اسے تحریر میں نہیں لایا جاتا اور نہ ہی حسابات میں درج کیا جاتا ہے۔ ③ پگڑی کی صورت میں کرایہ مارکیٹ ریٹ سے کم ہوتا ہے۔ ④ اس کے بعد مالک برائے نام مالک رہ جاتا ہے۔ وہ دکان



وغیرہ میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا، یعنی ملکیت نامہ رکھنے کے باوجود نہ دکان خالی کروا سکتا ہے اور نہ دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے۔ ⑤ یہاں تک کہ کرایہ دار اس پر آمادہ ہو جائے اور مالک مارکیٹ ریٹ کے مطابق کرایہ دار کو (وصول شدہ پگڑی سے کم، زیادہ) پگڑی ادا کر دے۔ ⑥ پگڑی کی صورت میں دکان یا مکان کی مرمت وغیرہ کرانا کرایہ دار کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ حتی کہ اللہ نہ کرے اگر وہ دکان وغیرہ گر جائے تو اسے دوبارہ تعمیر کرنا بھی کرایہ دار کی ذمہ داری ہے۔ ⑦ کرایہ دار چاہے تو پگڑی بیچ کر قبضہ دوسرے کے حوالہ بھی کر سکتا ہے۔ اس صورت میں مالک پہلے کرایہ دار سے پگڑی کا کچھ فیصد بھی وصول کرتا ہے۔

پگڑی کی تاریخ

پگڑی کا تصور تاریخ اسلام کی ابتدائی آٹھ صدیوں میں نہیں ملتا۔ آٹھویں صدی کے بعد اس کا رواج شروع ہوا ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری (926ھ-970ھ) نے اپنی مشہور کتاب الأشباہ والنظائر میں عرف عام اور خاص کی بحث میں پگڑی کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی ہجری کے نصف اول میں قاہرہ میں پگڑی کا رواج پڑ گیا تھا۔

غالباً نویں صدی ہجری میں اندلس میں اوقاف کی ان زمینوں سے پگڑی کا آغاز ہوا جن کی عمارت بوسیدہ تھی اور دوبارہ تعمیر کی ضرورت تھی۔ (المعاملات المالیہ المعاصرۃ، ص:561)

لیکن ہمارے ہاں جاری پگڑی کا رواج اور اس کا یہ مذکورہ بالا مفہوم جاگیردارانہ نظام کی پیدائش ہے۔ ہوا یوں کہ جب غریب اور ضرورت مند جاگیردار یا زمیندار کے پاس اس کا مکان یا دُکان کرایہ پر لینے جاتا تو سب سے پہلے مالک مکان جاگیردار کو سلامی کرتا اور سلامی کے نام پر کثیر رقم بھی دیتا۔ اور اس رقم کو جاگیردار یا ساہوکار کی پگڑی کا احترام کرنا کہا جاتا تھا۔ اور اس رقم کے واپس لینے یا دینے کا تصور بھی نہیں ہوتا تھا۔ چاہے کرایہ دار مکان میں رہے یا تھوڑے دنوں بعد ہی چلا جائے۔ یوں یہ ایک ظالمانہ، رواج چل پڑا۔ اور اب ہر بڑے شہر میں ناسور کی طرح پھیل چکا ہے۔

پگڑی/ سلامی کس چیز کا معاوضہ ہے؟

پگڑی کی رقم کس چیز کا معاوضہ ہے اس بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ درحقیقت مالک کے اس حق تصرف کا معاوضہ ہے جو اُسے دکان خالی کرانے اور دوسرے کو کرایہ پر دینے کی صورت میں حاصل تھا۔ کرایہ دار پگڑی ادا کر کے یہ حق خرید لیتا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ مکان یا دکان کی شہرت، اور محلِ وقوع کے پرکشش ہونے کا معاوضہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے اس سے کسی شرعی اصول کی خلاف ورزی تو لازم نہیں آتی؟

پگڑی کی شرعی حیثیت

پگڑی کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس بارے میں برصغیر کے جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ یہ شرعاً ناجائز ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ یا تو رشوت ہے یا حق مجرد کا معاوضہ اور یہ دونوں صورتوں میں شرعاً ممنوع ہے۔ کیونکہ مکان، دکان وغیرہ کا کرایہ پر لینا دینا بنیادی طور پر یہ عقد اجارہ ہے۔ اور عقد اجارہ کی صحت کے لیے ضروری ہے جس چیز کو کرایہ پر لیا جا رہا ہے وہ متعین ہو، کرایہ متعین ہو اور عقد اجارہ کی مدت طے ہو۔ اور مدت ختم ہونے کے بعد مالک مکان کو اختیار ہو کہ وہ اسے دوسرے کسی شخص کو کرایہ پر دے سکے۔ اور دوران مدت بھی مالک کو اجارہ ختم کرنے کا اختیار ہو۔ لیکن مروجہ پگڑی کی صورت میں ان شرائط کا خیال نہیں رکھا جاتا لہٰذا یہ حضرات ان خرابیوں کے پیش نظر، جو بعد میں بیان کی جا رہی ہیں، اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ جبکہ بعض دیگر علماء خصوصاً عرب علماء اس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ صورتوں کے مختلف ہونے سے اس کا حکم مختلف ہو جاتا ہے۔ اگر پگڑی اس لیے لی جا رہی ہے کہ یہ محل (دکان وغیرہ) تجارت کے لیے بہت پرکشش اور مفید ہے۔ تو یہ رقم اس شہرت اور نفع کے عوض میں ہو کر شرعاً جائز ہو گا اگرچہ بعض ائمہ مثلاً احناف حق مجردہ کا عوض لینا جائز نہیں سمجھتے لیکن دیگر تین مذاہب اور احناف کے متاخرین علماء حق مجردہ کا عوض لینا جائز سمجھتے ہیں، بنابریں۔ اس صورت میں پگڑی کا شرعی حکم جواز کا ہے۔ جبکہ ان کے نزدیک حق مجرد کی بیع بھی جائز ہے۔

پگڑی میں پائی جانے والی خرابیاں

پگڑی میں ایک خرابی یہ ہے کہ عقد اجارہ کی مدت (مہینوں سالوں کے حساب سے) طے نہیں ہوتی۔ اور مالک مکان کے اختیارات ختم ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ مالک ہونے کے باوجود حق تصرف (مالکانہ تصرف) سے محروم ہو جاتا ہے۔

② کرائے پر دی ہوئی چیز کرایہ دار کے پاس امانت ہوتی ہے۔نقصان کا ذمہ دار خود مالک ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں کرایہ دار کی زیادتی یا معاہدے کی خلاف ورزی نہ ہو۔ ہاں! اگر کرایہ دار کی طرف سے زیادتی یا معاہدہ کی خلاف ورزی ہو، یعنی جس کام کے لیے کرائے پر لیا تھا اس کے علاوہ کسی اور کام کے لیے استعمال کرنے سے نقصان ہوا ہو تو کرایہ دار ذمہ دار ہوگا۔

پگڑی میں اس اصول کا خیال نہیں رکھا جاتا ہر طرح کے حادثاتی نقصان کا ذمہ دار کرایہ دار ہی ہوتا ہے۔ ③ گھر کو قابل رہائش بنانے کے لیے مرمت کرانا یہ بھی مالک کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جبکہ پگڑی کی صورت میں مالک بالکل بے تعلق ہو جاتا ہے کرایہ دار جانے اور مکان۔ مالک کو ماہانہ کرایہ ملنا چاہیے اور بس۔ ④ عقد اجارہ میں مدت متعین ہوتی ہے مثلاً یہ مکان ایک سال کے لیے کرایہ پر دے رہا ہوں یا دس سال کے لیے وغیرہ۔ جبکہ پگڑی میں مدت متعین نہیں ہوتی۔ اور یہ عقد تاحیات بلکہ ابدی سمجھا جاتا ہے جو نسل در نسل چلتا رہتا ہے۔ اور اس میں مالک قانوناً ان سے خالی کرانے کا حق نہیں رکھتا۔ ہاں آپس کی رضا مندی سے بھاری رقم دے کر جس پر دونوں فریق راضی ہوں خالی کروایا جاسکتا ہے۔واللہ أعلم بالصواب.

ایڈوانس/ سکیورٹی کے نام سے پیشگی رقم

پگڑی سے تھوڑی سی مختلف صورت سکیورٹی کی ہے۔آج کل یہ طریقہ بھی عام ہے۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

عام طور پر مالک مکان کرایہ دار سے کچھ رقم یک مشت یا قسط وار ماہانہ کرائے کے علاوہ سکیورٹی کے نام سے وصول کرتا ہے۔ اس سکیورٹی کا رواج آج سے کچھ عرصہ پہلے بہت کم تھا لیکن بدلتے حالات میں مالکوں نے اسے انتہائی ضروری قرار دیا ہے۔ اس کے بغیر مکان کرایہ پر لینا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کرایہ دار ماہ بماہ کرایہ ادا کرتا رہے اور وقت معین پر مکان خالی کر دے۔ اور اگر کرایہ دار مکان وغیرہ کا کوئی نقصان کر دے تو اس رقم سے اس نقصان کی تلافی کی جاسکے۔ اور جب مدت اجارہ ختم ہو جاتی ہے تو مالک مکان یہ رقم کرایہ دار کو واپس کر دیتا ہے۔

اب اس پیشگی رقم، سکیورٹی کو کیا نام دیا جائے؟

یہ ایک انتہائی نازک مسئلہ ہے۔ اسے اگر قرض کہا جائے تو اس کے بدلے قرض دینے والا رہائش کا نفع حاصل کرتا ہے اور ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل ہو وہ سود ہے اور بعض لوگ اسے ابتداءً امانت اور انتہاء قرض قرار دیتے ہیں۔ ایک صورت یہ بھی ہے۔ اس رقم کو اجرت معجلہ (پیشگی کرایہ) سمجھا جائے۔ اور ہر ماہ مالک مکان اس میں سے کچھ کٹوتی کرتا رہے مثلاً پچاس ہزار سکیورٹی وصول کی اور ماہانہ کرایہ پانچ ہزار طے ہوا تو اگر مالک مکان کرایہ دار سے چار ہزار پانچ سو روپے وصول کرے اور بقیہ پانچ سو ایڈوانس سے کاٹ لے۔ اور ہر ماہ اسی طرح کرتا رہے تو ان شاء اللہ اس صورت میں کوئی شرعی خرابی لازم نہیں آئے گی اور یہ معاملہ ان شاء اللہ جائز ہوگا۔

سکیورٹی/ ایڈوانس اور پگڑی میں فرق

① ایڈوانس رقم قابل واپسی ہوتی ہے اور جتنی دی تھی اتنی ہی واپس ملتی ہے۔ ② مالک مکان کو کرایہ دار تبدیل کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ ③ مکان کا کرایہ مارکیٹ ریٹ کے برابر ہوتا ہے۔ ④ اللہ نہ کرے حادثہ کی صورت میں مکان تباہ ہو جائے تو مالک کرایہ دار سے کرایہ وصول نہیں کر سکتا۔ ⑤ دوبارہ تعمیر کروانا کرایہ دار کے ذمے نہیں ہوتا۔

① پگڑی کی رقم ناقابل واپسی ہوتی ہے اور اگر باہم رضا مندی سے پگڑی کی رقم مالک، کرایہ دار کو واپس کرے تو وہ مارکیٹ ریٹ کے مطابق کم زیادہ ہوتی ہے۔ ② مالک مکان کو کرایہ دار تبدیل کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ ③ کرایہ مارکیٹ ریٹ سے بہت کم ہوتا ہے۔ ④ حادثہ کی صورت میں مکان تباہ ہو جائے تو مالک مکان کرایہ وصول کرتا رہے گا۔ ⑤ دوبارہ تعمیر کروانا کرایہ دار کے ذمے ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام! عام حالات میں مذکورہ تفصیل کے مطابق سکیورٹی کے نام سے کچھ رقم لے کر مکان یا دکان کرایہ پر لینے کی گنجائش نکلتی ہے۔ یہ رقم قابل واپسی ہوتی ہے جبکہ پگڑی کے نام سے لی جانی والی رقم اختلافی ہے۔ ہر مسلمان کو اپنے معاملات میں حدود اللہ کا خیال رکھنا چاہیے اللہ تعالیٰ مجھے ہم سب کو دین حنیف پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

وما علینا الا البلٰغ المبین

امریکہ کی ڈائری

حافظ عبدالوحید سوہدروی



الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ۔ امابعد

ماہ اپریل ومئی 2011ء کے دوران امریکہ میں دو بڑی آفات نے تباہ کاریاں مچا دیں۔ ایک سیلاب اور دوسرا طوفانِ بادوباراں (Tornado)

سیلاب

امریکہ کی سات ریاستوں میں سیلاب نے جو تباہی مچائی وہ سو سالہ تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے۔ سیلاب سے قبل دو سخت طوفانوں نے دریا مسی سپی کے بالائی علاقوں میں اچھی خاصی بارش برسا کر گزشتہ سردیوں میں معمول سے بڑھ کر پڑنے والی برف کو یکدم پگھلا دیا۔ اس طرح بارش اور برف کے پانی نے مل کر تباہ کن سیلاب کی شکل اختیار کر لی۔ دریا مسی سپی چار ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے دو ماہ تک تباہی مچاتے ہوئے سمندر میں پہنچا۔ دونوں طوفانوں میں 383 اور سیلاب میں 20 افراد جاں بحق ہوئے۔ مالی نقصان کا اندازہ 4 بلین ڈالر، یعنی 4 ارب روپے ہے۔ انسانی جانوں کو تو قبل از وقت اطلاع سے بچا لیا گیا مگر مکانوں کو اٹھا کر کہاں لے جاتے، چنانچہ ہزاروں کی تعداد میں مکانات کو نقصان پہنچا۔ جن لوگوں نے مکانوں کی انشورنس کرا رکھی تھی انھیں تو کسی حد تک معاوضہ مل جائے گا مگر جو انشورنس کے بغیر تھے ان کے مالکان کو دوبارہ تعمیر یا مرمت کے لیے بینکوں سے سود پر قرضہ لینا پڑے گا۔ اس طرح بینکوں اور سود خوروں کے وارے نیارے ہو جائیں گے اور عوام بیچارے مزید بوجھ تلے دب جائیں گے۔ چونکہ دریاؤں کے اردگرد چند میل تک سیلاب کی زد میں آنے والے نشیبی علاقوں میں مکانوں کی انشورنس کے ریٹ زیادہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا سیلاب سے متاثرہ زیادہ تر مکانات انشورنس کے بغیر تھے اور یوں یہ تباہی ایک عوامی تباہی بن گئی۔ سیلاب کے پانی سے کئی مکانات تو چھتوں تک ڈوبے ہوئے تھے۔ آپ اندازہ کیجیے کہ مکانوں میں پڑا ہوا سامان، فرنیچر اور عیش وعشرت کی دیگر اشیاء میں سے لوگ کتنا کچھ منتقل کر کے بچا سکے ہوں گے۔ اگرچہ لوگوں

کوکئی ہفتے قبل وارننگ دے دی گئی تھی مگر پھر بھی یہ ناممکن ہے کہ آپ اپنا گھر بالکل خالی کرسکیں۔ کچھ علاقوں میں تو سیلاب آنے کا امکان بھی نہیں تھا مگر انتظامیہ کو مجبوراً بڑے بڑے شہر جیسے نیوآرلینز اور بَیٹن رُوج بچانے کی خاطر دریا میں پانی کا دباؤ کم کرنے کے لیے بعض ڈیموں کے دروازے کھولنے پڑے جیسا کہ مورگانزا ڈیم کے دروازے 37 سال کے بعد پہلی دفعہ کھولے گئے۔ جس سے بارہ ہزار کلومیٹر کا مزید دیہی علاقہ زیرآب آگیا جہاں پر لوگوں کو سیلاب کا اندیشہ بھی نہیں تھا۔ اسی طرح بعض مقامات پر انتظامیہ کو حفاظتی بند اور پشتے توڑنے پڑے۔ یوں قدرت نے انسان کو اپنے ہاتھوں سے تباہی کے مزید اسباب پیدا کرنے پر مجبور کر دیا۔ ''اے آنکھیں رکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔''

(الحشر 2:59)

امریکہ میں عموماً 95 فیصد یک منزلہ مکان لکڑی کے بنے ہوتے ہیں، یعنی لکڑی کے کھوکھے کھڑے کر کے ان پر شیٹ راک اور پلائی وُڈ کی دیواریں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔ اگر مکان کو فینسی بنانا ہو تو مکان کے بیرونی طرف ایک ایک اینٹ کی چنائی کر دی جاتی ہے۔ لکڑی کے بنے ہوئے مکانات کا فائدہ یہ ہے کہ ان میں گرمی سردی کی سرایت کم ہوتی ہے جس سے اے سی اور ہیٹر کا خرچہ کم ہو جاتا ہے۔ نیز مکان گرنے کی صورت میں انسانی جانوں کا ضیاع بھی کم ہوتا ہے۔ مگر جیسا کہ ہر چیز کے فوائد کے ساتھ ساتھ نقصانات بھی ہوتے ہیں تو اس قسم کے مکانوں میں نقصان کا پہلو یہ ہے کہ ایک عرصہ بعد ان میں دیمک لگ جاتی ہے۔ نیز زمینی و سماوی آفات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور یوں سیلاب میں بہہ جاتے اور طوفان میں اُڑ جاتے ہیں۔ آگ لگ جائے تو مکان کے ساتھ سامان بھی جل جاتا ہے۔

چنانچہ موجودہ سیلاب میں ہزاروں کی تعداد میں مکانات متاثر ہوئے ہیں اور لوگوں کی کثیر تعداد کو بے گھر ہونا پڑا ہے۔

ایک تقابلی جائزہ

پچھلے سال پاکستان میں بھی تاریخی سیلاب نے تباہی مچائی تھی۔ مگر عوامی ردعمل کے حوالے سے دونوں ملکوں کے عوام میں جو ہم نے واضح فرق دیکھا۔ اس سے یوں محسوس ہوا کہ جیسے امریکہ میں مسلمان بستے ہیں اور پاکستان میں نعوذ باللہ..... بات تو یہ بہت بڑی ہے مگر غیر متعصب ہو کر ذرا غور کیجیے تو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

پچھلے سال جب پاکستان میں سیلاب آیا تو ٹی وی پر متاثرہ افراد کے انٹرویو دکھائے جارہے تھے۔ جن میں حکومت، انتظامیہ اور منتخب لیڈروں کے خلاف سخت غم و غصے کا اظہار کیا جارہا تھا۔ اور لوگ سیلاب کا سبب ان کی نااہلی اور غلط پلاننگ کو قرار دے رہے تھے جو بڑی حد تک بجا ہے۔ مگر کسی اللہ کے بندے سے ہم نے یہ نہیں سنا کہ وہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے رب ذوالجلال کے سامنے گڑگڑاتا ہو اور اللہ سے اس بلاء کو ٹالنے کی التجا کرتا ہو (الاماشاء اللہ)۔ بالفاظِ دیگر سیلاب سے بچانے یا نہ بچانے کی طاقت حکومت کو قرار دیا جارہا تھا۔ گویا اس طرح انجانے میں شرک کا ارتکاب ہو رہا تھا۔ جبکہ ہمارا تو عقیدہ ہی یہ ہے کہ ہر نفع و نقصان کا مالک اللہ ہے۔

اگر اللہ جل شانہ بذریعہ سیلاب کسی قوم کو سزا دینا چاہے تو کون سی حکومت اللہ کے عذاب سے بچا سکتی ہے۔ جب امریکہ جیسی بزعمِ خویش سپر پاور اپنے عوام کو اس عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکی تو پاکستان کی ''غلام حکومت'' اپنے لوگوں کو کیسے بچا سکتی ہے۔

دوسری طرف سیلاب کے حوالے سے امریکی عوام کا ردعمل بھی ٹی وی پر دکھایا جارہا تھا۔ آپ حیران ہوں گے کہ کسی ایک آدمی کی زبان سے اپنے کسی لیڈر یا حکومت کے خلاف شکوہ کا ایک لفظ بھی سننے میں نہیں آیا۔ اور سب اس کو قدرت کا امر (Act of Nature) کہتے ہوئے برداشت کرنے کے عزم کا اظہار کر رہے تھے۔ دراصل یہ ردعمل تو مسلمان قوم کا ہونا چاہیے تھا۔ مگر آج کل گنگا الٹی بہہ رہی ہے۔ پاکستانی لوگوں کا ردعمل کافروں جیسا اور کافروں کا ردعمل مسلمانوں جیسا۔ سبحان اللہ۔

اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے مصر کے ایک بہت بڑے عالم شیخ محمد عبدہٗ مرحوم کی جنھوں نے یورپ کا دورہ کرنے کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار کچھ اس طرح کیا تھا: ''میں نے یورپ میں



اسلام دیکھا مسلمانوں کے بغیر اور اسلامی ملکوں میں مسلمان دیکھے اسلام کے بغیر۔''

حکومت کو برا بھلا کہنے کے حوالے سے ایک حدیث ملاحظہ ہو۔

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ تمھارے بہترین لیڈر وہ ہیں جن کو تم پسند کرو اور جو تمھیں پسند کریں۔ جن کے لیے تم دعا گو رہو اور جو تمھارے لیے دعا گو ہوں۔ اور تمھارے بدترین لیڈر وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور جو تم سے بغض رکھیں (یعنی تم ان کو برا بھلا کہو اور وہ تمھیں برا بھلا کہیں) جن پر تم لعنت بھیجو اور جو تم پر لعنت بھیجیں۔ کہا گیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم بذریعہ تلوار ان سے خلاصی نہ پالیں۔ فرمایا: ''نہیں، جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں۔ جب تم اپنے حاکم میں ایسی بات دیکھو جسے تم ناپسند کرتے ہو تو اس کے عمل سے نفرت کرو۔ اس کی اطاعت سے ہاتھ مت کھینچو۔''

(صحیح مسلم: 4804)

اس حدیث کی روشنی میں اسلامی ممالک کے حکمرانوں کا جائزہ لیجیے۔ آپ کو اکثریت ایسے حکمرانوں کی ملے گی جو واضح طور پر اس حدیث کی زد میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس امت کے حال پر رحم فرمائے۔ آمین!

طوفانِ بادوباراں کا تعارف

یہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ امریکہ میں ایک کو ہری کین (Hurricane) اور دوسرے کو ٹورنیڈو (Tornado) کہا جاتا ہے۔ ہری کین کی جائے پیدائش ہماری زمین کے گرم ایریا، یعنی خط سرطان اور خطِ جدی کے درمیانی علاقہ خاص کر سمندروں میں ہوتی ہے جبکہ ٹورنیڈو زمینی علاقہ میں پیدا ہوتا ہے۔ پیدائش دونوں کی گرم اور مرطوب ہوا کے سخت ٹکراؤ سے ہوتی ہے۔ اور دونوں ہی واورولا کی طرح چکر کھاتے ہیں۔ ہری کین سائز میں بڑا، یعنی سو دو سو میل پر محیط ہوتا ہے جبکہ ٹورنیڈو چوتھائی میل سے ایک میل کے لگ بھگ سائز کا ہوتا ہے۔ درمیانی حصہ کو جس کے گرد ہوا اور بادل چکر کھاتے ہیں آنکھ (Eye) کہا جاتا ہے۔ ہری کین کی آنکھ 4 سے لے کر 25 میل تک چوڑی ہوتی ہے۔ جبکہ ٹورنیڈو کی گزوں کے حساب سے ہوتی ہے۔ ہری کین کی آنکھ کے گرد جب ہوا اور بادل گھومتے ہیں تو صرف خلاء سے پتہ چل سکتا ہے۔ نیچے سے ہمیں بادل تیزی کے ساتھ ایک ہی سمت میں بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ٹورنیڈو کی شکل ہاتھی کی سونڈ کی طرح ہوتی ہے جس کا ہم مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔ اس کا زمینی حصہ باریک اور آسمان کی طرف سے موٹا ہوتا ہے۔ یہ زمین سے لے کر دو ہزار فٹ کی بلندی تک چلا جاتا ہے۔ مگر ہری کین کے مقابلہ میں زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہوتا ہے۔ اس کی آنکھ میں، یعنی درمیانی حصہ میں ہوا اوپر سے نیچے آرہی ہوتی ہے جبکہ اردگرد سے تیز ہوا ویکیوم (Vacume) کی طرح ہر چیز کو نیچے سے کھینچ کر اوپر کی طرف لے جارہی ہوتی ہے۔ ہری کین اور ٹورنیڈو گھومتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ ہری کین کی نسبت ٹورنیڈو سیکڑوں میل تباہی پھیلانے کے بعد ٹھنڈا پڑتا ہے۔

جب اپریل مئی کے دوران امریکہ کے چند صوبوں میں (یہاں صوبہ کو سٹیٹ، یعنی ریاست کہا جاتا ہے اور امریکہ کے کل 51 صوبے ہیں) سیلاب کی تباہ کاریاں جاری تھیں تو مزوری سٹیٹ کے شہر جوپلن (Joplin) میں ایک اور ٹورنیڈو نے تباہی مچا دی۔ دو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتا ہوا یہ طوفان جہاں سے بھی گزرا مکانات کو اُڑاتا گیا۔ درختوں کا صفایا کرتا گیا اور انھیں صرف اپنے تنوں پر چھوڑتا گیا۔ کاروں ٹرکوں کو الٹ پلٹ کرتا ہوا مکانات اور درختوں کے ملبے تلے دفن کرتا گیا۔ شہر کو ایسے تہس نہس کر گیا۔ جیسے جاپان میں سونامی نے کیا تھا۔ ٹی وی پر تباہی کی تصاویر دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں قوت کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

ٹی وی والے سیلاب کو بھول کر اس تباہی کی خبریں دینا شروع ہو گئے۔ اس تباہی میں 3 بلین ڈالر، یعنی 3 ارب روپے کا مالی نقصان ہوا۔ جانی نقصان کی تعداد 141 ہے جبکہ ابھی تک کئی لوگ لاپتہ ہیں۔ سیکڑوں افراد زخمی ہوئے۔ ایک اٹھارہ پہیوں والے لمبے ٹرک کے پرخچے اڑتے ہوئے ٹی وی پر دکھائے گئے۔ البتہ رحمت الٰہی سے ڈرائیور کی جان بچ گئی۔ اللہ کی شان کہ یہ سب کچھ انھی دنوں میں ہوا جبکہ امریکہ اور نیٹو کے طیارے لیبیا کے درالحکومت تریپولی پر شدید بمباری کر رہے تھے۔ لیکن انسانی عقل خدائی

فیصلوں کے اس ربط کو سمجھنے سے قاصر ہے اور اسی لیے وہ خاسر (نقصان میں) ہے۔

اللہ پاک نے واضح طور پر بتا دیا ہے کہ تم لوگوں پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمھارے اپنے کیے دھرے کا نتیجہ ہوتی ہے اور باری تعالیٰ تو تمھاری بہت سی کرتوتوں سے درگزر فرما دیتا ہے۔(الشوریٰ 42:30)

طوفان تو ہر ملک میں آتے ہیں مگر امریکہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اپنی جدید ترین ٹیکنالوجی کی بناء پر ہزاروں میل کے فاصلہ سے اس کا سراغ لگا لیتا ہے۔ پھر اس کے راستہ، رفتار اور قوت پر نظر رکھی جاتی ہے۔ اس کو ایک نام دیا جاتا ہے۔ پھر بذریعہ ریڈیو، ٹی وی لوگوں کو اس کے پل پل کی خبر دی جاتی ہے۔ جب سمندر سے گزر کر ہری کین امریکہ کی سرزمین میں داخل ہوتا ہے تو لوگوں کو اس کے ممکنہ راستہ سے خبردار کر کے علاقہ چھوڑنے کی ہدایات دی جاتی ہیں۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ طوفان کبھی کبھی اپنا وہ راستہ بدل دیتا ہے جس کی پیشین گوئی کی جاتی ہے اور ادھر کا رخ کر لیتا ہے جدھر کے لوگ اس کے استقبال کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔ اس طرح مالی نقصان کے ساتھ ساتھ جانی نقصان بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔

ستمبر 2005ء میں ہمارے شہر ہوسٹن میں آنے والے طوفان نے، جس کا نام کیٹرینا رکھا گیا تھا، ایسے ہی کیا۔ لوگوں کو قبل از وقت شہر خالی کرنے کا حکم دیا گیا۔ شہر خالی کرتے ہوئے کاروں کی اتنی بڑی تعداد سڑکوں پر امڈ آئی کہ سڑکیں اپنی تنگ دامنی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ دوسرے شہروں میں جانے والی شاہراہوں پر جنھیں فری وے (Free Way) کہا جاتا ہے اور جن پر حد رفتار 70 میل فی گھنٹہ ہوتی ہے ان پر سفر بمشکل 5-10 میل فی گھنٹہ سے طے ہو رہا تھا۔ اور وہ بھی کئی کئی گھنٹے ایک جگہ رکے رہنے کے بعد۔ کھانے پینے کی اشیاء تو لوگ ساتھ لے کر چلے تھے مگر تصور کیجیے کہ کموڈ پر بیٹھ کر قضائے حاجت کی عادی قوم سڑکوں کے کنارے اس حاجت کو کیسے پوری کرتی ہوگی۔ سیکڑوں کاروں کو پٹرول ختم ہونے کی وجہ سے راستہ میں ہی رکنا پڑا۔ بچوں کو اتنا طویل وقت کاروں میں بٹھائے رکھنا ایک دوسرا مسئلہ تھا۔ جب لوگ شہر خالی کر کے جا رہے تھے تو سورۃ الانبیاء کی آیات نمبر 13,12 کی صداقت سامنے آ رہی تھی۔ ملاحظہ کیجیے: ﴿فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَO لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ﴾ ''جب انھوں نے ہمارا عذاب آتے دیکھا تو فوراً فرار ہونے لگ گئے۔ (کہا گیا:) مت بھاگو۔ اپنے عیش وعشرت کے سامان کی طرف لوٹو تا کہ تم سے جواب طلبی کی جائے۔''

جب اس کیٹرینا طوفان کے خوف سے ہزاروں لوگ شہر چھوڑ کر بے گھر ہو گئے تو قدرت کی کرشمہ سازی دیکھیے کہ طوفان نے ہوسٹن سے اپنا رخ بدل لیا اور ایسے علاقے کی طرف مڑ گیا جہاں لوگ اپنے گھروں میں مطمئن بیٹھے ہوئے تھے۔ سبحان اللہ! یہ ہے اللہ پاک کی قدرت کہ ''ایک تیر سے دو شکار'' الحمد للہ ہم نے بر بنائے استخارہ شہر نہ چھوڑا تھا تو اللہ پاک نے ہمیں بے گھر ہونے کے عذاب سے بچا لیا۔

اس افراتفری کے دوران بہت سے حادثات بھی پیش آئے، مثلاً ایک چرچ کی بس کو آگ لگ گئی اور 50 سے اوپر بوڑھے افراد جل کر مر گئے۔ جنگل میں فائر بریگیڈ کہاں سے آتا۔ اسی طرح ہمارے دارالسلام کے مہربان ایک مصری اکاؤنٹنٹ جن کا بہترین ٹیکس آفس تھا اپنے شہر واپس آتے ہوئے کار کا ٹائر پھٹنے سے اپنے ایک بیٹے اور بیٹی کے ساتھ موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جبکہ بیوی بری طرح زخمی ہونے پر بذریعہ ہیلی کاپٹر ہسپتال پہنچائی گئی۔ صرف ایک بیٹی معجزانہ طور پر بچ گئی۔ مرحوم اکاؤنٹنٹ محمد درویش کی ایک بات جب بھی یاد آتی ہے تو ان کے حق میں دعائے خیر نکلتی ہے۔ فوت ہونے سے چند ماہ قبل جب انھوں نے دارالسلام کے ٹیکس پیپر تیار کیے تو میرے اصرار کے باوجود انھوں نے اسے دینی خدمت سمجھتے ہوئے معاوضہ لینے سے حسب سابق انکار کر دیا۔ مگر ایک یادگار بول، بول گئے کہ ''آپ کے ذہن میں ایک لمحہ کے لیے میرا آ جانا ہی کافی ہے۔'' یعنی دعاء کر دیا کریں۔

اللّٰھُم اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ.



وہ مسجد نبوی کے شمال مغرب میں مسجد قبلتین کے گردونواح میں رہتے تھے۔ اگر ہم ائر پورٹ سے شہر میں داخل ہوں تو اس طرف ''السنح'' نامی گاؤں تھا جہاں سیدنا ابوبکر صدیق کا گھر تھا۔ اس کے شمال مغربی جانب بنوحارث بن خزرج آباد تھے۔ ذرا اوپر شمال کی جانب بنوعبدالاشہل اور ان سے تھوڑی دور بنوحارثہ رہتے تھے۔ یہودیوں کے محلے مسجد نبوی کے جنوب مشرق میں واقع تھے۔ سب سے پہلے بنوقینقاع کا محلّہ تھا۔ بقیع الغرقد سے اس کا فاصلہ زیادہ دور نہ تھا۔ یہیں وہ بازار تھا جس میں سب سے پہلے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تجارت کا آغاز کیا تھا۔ بنوقینقاع سے ذرا اوپر جنوب کی طرف بنوقریظہ اور اس سے تھوڑی دوری پر بنونضیر آباد تھے۔ کعب بن اشرف کا قلعہ بھی بنونضیر کے قرب وجوار میں تھا جس کے کھنڈرات بھی باقی ہیں۔ راقم الحروف کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے سیرت کی شہرہ آفاق کتاب ''الرحیق المختوم'' کے مؤلف مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کے ہمراہ غالباً 1995ء میں مدینہ کے اطراف کی سیر کی تھی۔ ہم نے کعب بن اشرف کے قلعہ کو بھی دیکھا۔ مولانا مرحوم نے ہمیں پورا نقشہ بنا کر سمجھایا تھا۔ مسجد قباء مسجد نبوی کے جنوب میں ہے اور وہیں قبیلہ عمرو بن عوف تھا جہاں ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے قبیلہ کے سردار کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرمایا تھا۔

قارئین کرام! میں آپ کو مدینہ طیبہ کے پرانے دور کا نقشہ اس لیے بتا رہا ہوں کہ اب مدینہ طیبہ بہت زیادہ پھیل گیا ہے۔ اس کی آبادی بڑھ گئی ہے۔ چاروں طرف بڑی تیزی سے ترقیاتی کام ہو رہے ہیں۔ چند ماہ کے بعد مدینہ جائیں تو علاقے میں خاصی تبدیلی آچکی ہوتی ہے۔ مگر مدینہ کے سارے قبائل کوئی زیادہ فاصلوں پر نہ تھے۔ لوگ ایک دوسرے کے ہاں زیادہ تر پیدل اور بعض اوقات سواری سے بھی جاتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ مسجد قباء تک پیدل تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نوافل ادا کرتے تھے۔

اس دور میں اونٹ کی سواری تھی یا گھوڑے کی یا پھر گدھوں پر بھی سواری معیوب نہ سمجھی جاتی تھی۔ گھوڑے تو بہت کم لوگوں کے پاس تھے۔ خود اللہ کے رسول ﷺ ہر چند کہ آپ حکومت کے سربراہ بھی تھے مگر آپ کے پاس بھی شروع میں گھوڑا نہ تھا مگر آپ کتنے متواضع تھے کہ گدھے کی سواری کو بھی معیوب نہ سمجھتے۔ آپ ﷺ کے گدھے کا نام عفیر تھا۔ جس کی لگام کھجور کی رسی سے بنی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ اس پر سواری کرتے ہوئے اپنے محلے سے دوسرے محلوں تک دعوت وتبلیغ یا دوسرے کاموں کے لیے تشریف لے جاتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ اپنے گدھے پر تشریف لے جا رہے تھے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی راستے میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپ اس کے قریب سے گزرے تو اس نے خوب ناک بھوں چڑھا کر کہا: ''محمد (ﷺ) ذرا دور ہی رہو۔ ہمیں گرد سے اذیت نہ پہنچاؤ۔''

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ رسول ﷺ بے حد متواضع تھے۔ اگر آپ چاہتے تو خوب دولت جمع کر لیتے یا سواریوں کا بند وبست کر لیتے۔ چند گھوڑے ہی ہوتے مگر یہاں پر تواضع کا یہ عالم ہے کہ نہ صرف خود گدھے پر سوار ہو جاتے بلکہ بعض اوقات اپنے کسی پیارے ساتھی کو بھی اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ ایک دن سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی قسمت نے یاوری کی۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے گدھے عفیر پر بیٹھے کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی اشارہ کیا کہ تم بھی میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔ قارئین کرام! ذرا تصور کریں کہ کائنات کے سب سے اعلیٰ معلم گدھے کی اگلی جانب بیٹھے ہیں اور پیچھے یہی خوبصورت ذہین وفطین متعلم نوجوان معاذ اس شان سے بیٹھا ہے کہ آپ ﷺ کی پشت مبارک ان کے سینے سے لگ رہی ہے۔ کچھ فاصلہ طے کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''یا معاذ بن جبل'' معاذ عرض کرتے ہیں: «لَبَّيكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ» میں حاضر ہوں اور یہ حاضری میرے لیے باعث سعادت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا: ''یا معاذ بن جبل'' معاذ فوراً عرض کرتے ہیں: «لَبَّيكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ» اور پھر اللہ کے رسول ﷺ کچھ دیر خاموش رہے۔ قارئین کرام! لاکھ مرتبہ قربان جائیں اس معلم بشریت پر کہ اپنے ساتھی کو سکھانے کا کیسا انوکھا اور پیارا انداز اختیار فرمایا۔ سواری پر دونوں سوار ہیں۔ درمیان میں کوئی رکاوٹ یا پردہ نہیں اور یوں ارشاد فرما رہے ہیں گویا کوئی دور سے آواز دے رہا ہو۔ پھر معاذ کو ان کے والد کا نام بھی ذکر کرتے ہوئے تیسری مرتبہ ارشاد فرمایا: ''یا معاذ بن جبل۔'' معاذ یقیناً آپ کے فرمان کو سننے کے لیے ہمہ تن گوش تھے کہ میرے مربی، میرے معلم، میرے ہادی، میرے مرشد کونسا پیغام مجھے دینا چاہتے ہیں۔ شاگرد نہایت سرعت سے جواب دیتا ہے: «لَبَّيكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ» اللہ کے رسول ﷺ! میں حاضر ہوں آپ ارشاد فرمائیں۔



اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہوتا ہے: «أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ؟» ''معاذ جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے۔'' سیدنا معاذ جواباً عرض کرتے ہیں: «اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ» اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَّعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا» ''اللہ کا حق اپنے بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔''

یقیناً سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے اس سبق کو ذہن نشین کرلیا۔ تھوڑا سا وقت گزرا۔ ذرا آگے بڑھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا: «يا معاذ بن جبل» معاذ عرض کرتے ہیں «لَبَّيكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ» اللہ کے رسول ﷺ پھر ایک دن پوچھتے ہیں: «أَتَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ إِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ» ''جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے۔ اگر وہ اس کے ساتھ شرک نہ کریں؟ شاگرد پھر جواب میں عرض کرتا ہے: ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی علم ہے۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے شاگرد کو بتایا اور سکھایا کہ ''بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے اگر وہ اس کے ساتھ شرک نہ کریں تو «أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ» انھیں عذاب نہ دے «وَيَغْفِرَلَهُمْ» اور انھیں معاف کردے اور «وَيُدْخِلَهُمُ الْجَنَّةَ» اور اپنی جنت میں داخل کردے۔ اور پھر فرمایا کہ جس شخص نے سچے دل سے لا اله الا الله محمد رسول الله پڑھا: «إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ» اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم کی آگ کو حرام کردیا ہے۔

قارئین کرام! یہ خوشخبری کوئی معمولی نہ تھی۔ ہم جیسے عامیوں اور گنہگاروں کے لیے اس سے بڑی بشارت اور کیا ہوگی۔ اس لیے سیدنا معاذ عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ! «أَفَلَا أُبَشِّرُ بِهَا النَّاسَ» ''کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دوں۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''نہیں مجھے ڈر ہے کہ لوگ اس پر تکیہ کرکے بیٹھ جائیں گے۔'' (صحیح البخاری:2856، وصحیح مسلم: 30-32) مراد یہ کہ وہ عمل میں سستی کریں گے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے اس فرمان کو یاد رکھا اور آپ ﷺ کے فرمان اور حکم پر عمل کرتے ہوئے کسی کو نہیں بتایا۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو یمن میں اپنا گورنر یا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ جب وہ وہاں جانے لگے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو متعدد وصیتیں کیں جن میں ایک یہ بھی تھی کہ: ''تم نجران میں اہل کتاب یعنی عیسائیوں کے پاس جارہے ہو۔ وہ تم سے جنت کی چابی کے بارے میں سوال کریں گے۔ ان کو بتانا کہ جنت کی چابی ''لا الہ الا اللہ'' ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میری امت پر سب سے زیادہ مہربان شخصیت ابوبکر ہیں۔ اللہ کے دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمر فاروق ہیں۔ سب سے زیادہ حیا والے عثمان ہیں۔ حلال وحرام کے مسائل کو سب سے زیادہ سمجھنے والے معاذ بن جبل اور وراثت کے مسائل کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ سمجھنے والے زید بن ثابت ہیں۔ اور ہر امت کا امین ہوتا ہے اور میری امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم ہیں۔'' (مسند أحمد: 184/3)

دراصل یہ تمغے تھے جو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو عطا فرمائے تھے۔ اگر قائد اور لیڈر اپنے ساتھیوں کی برملا تعریف کرے، ان کی صفات کو بیان کرے تو ان میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی صلاحیتوں کا اعتراف سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی کیا تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ شام کے علاقے میں منتقل ہوگئے کیونکہ ان علاقوں میں اس وقت جہاد ہو رہا تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کبار، مشہور و معروف اور با صلاحیت صحابہ کرام کے دوسرے شہروں میں منتقل ہونے کے خلاف تھے۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ دار الخلافہ میں ایسے لوگ ہر وقت موجود رہیں جن سے بوقت ضرورت مشورہ لیا جاسکے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اجازت ہی سے شام گئے تھے۔ ان کے شام جانے کے بعد ایک دن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اہل مدینہ معاذ کی فقاہت اور علم سے محروم ہوگئے ہیں۔ وہ لوگوں کو مسائل بتایا کرتے تھے۔ پھر انھوں نے اس بارے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بات کی۔ انھوں نے جواب دیا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں شہید ہونا چاہتا ہو ہم اسے کیسے روک سکتے ہیں؟ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے دور اقدس کی طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی مدینہ منورہ کے باسیوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے۔

سیرت نگاروں کے مطابق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری وقت میں فرمایا تھا کہ اگر معاذ زندہ ہوتے تو میں ان کو اپنا جانشین مقرر کرتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا شمار امت کے کبار علماء میں ہوتا تھا۔



اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اس پیارے ساتھی کو ایک اور اعزاز بخشا تھا کہ جب مکہ فتح ہوا تو ایک نہایت طاقتور مسلم نوجوان عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ یہ بیت اللہ شریف میں امامت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ اس وقت ان کی عمر صرف سترہ سال تھی۔ ان کے ساتھ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو معلم قرآن مقرر فرمایا جو لوگوں کو قرآن پڑھاتے اور ان کی دینی رہنمائی کرتے تھے۔ اس وقت ان کی عمر تیس سال سے کم تھی۔ گویا اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں کسی انسان کو پرکھنے کا معیار عمر نہیں بلکہ اس کی صلاحیت تھی۔

قارئین کرام! ہم ذرا آگے بڑھتے ہیں۔ گذشتہ سطور میں آپ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو پڑھ چکے ہیں جس میں اللہ کے رسول نے توحید کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جو سچا مؤحد ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا وہ جنت میں جائے گا۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک یہ واقعہ کسی سے بیان نہیں کیا۔ لیکن یہ علم چھپانے والی بات بھی تھی کیونکہ انھوں نے ایک چیز اللہ کے رسول ﷺ سے سیکھی اور اسے لوگوں تک پہنچائے بغیر دنیا سے رخصت ہوجائیں یہ ان کے لیے ناممکن تھا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنے آخری ایام میں بے چین تھے کہ وہ حدیث اور پیغام جو انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا تھا اسے لوگوں کو بتا کر اس دنیا سے رخصت ہوں، چنانچہ انھوں نے فرمایا کہ میرے خیمے کے پردوں کو ہٹا دو۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا: میں وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنی تھی۔ پہلے میں نے اس لیے نہیں بیان کیا کہ کہیں تم اس پر تکیہ کرتے ہوئے عمل میں سستی نہ شروع کردو۔ پھر انھیں وہ عظیم خوشخبری سنائی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ردیف تھے۔ ان کے علاوہ کوئی تیسرا شخص وہاں موجود نہ تھا۔ پھر معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث بیان فرمائی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں وہ علم کو چھپانے کے گناہ کے مرتکب نہ ہوجائیں۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی جو وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھے انھوں نے اس عظیم خوشخبری کو سنا۔ پھر محدثین کی شب و روز کی محنتوں نے اس کو ہم تک بھی پہنچا دیا۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان خوش قسمت صحابہ کرام میں سے تھے جو آپ ﷺ کی مبارک زندگی میں فتویٰ دیتے تھے۔ اس دور میں تین مہاجر صحابہ سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان، سیدنا علی اور انصار میں سے ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم فتویٰ دیتے تھے۔

جہاں تک سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کا تعلق ہے تو شام کے علاقے میں طاعون کی بیماری پھیلی، بڑے بڑے صحابہ کرام اس وبا کی زد میں آگئے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے جس ہمت اور استقلال کے ساتھ اس وبا کا سامنا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جب طاعون شدت اختیار کرنے لگا، معاذ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔ صبر کی تلقین فرمائی۔ ان کا بیٹا عبدالرحمٰن بھی اس مرض میں مبتلا ہوکر انتقال کرگیا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین سے واپسی کے بعد گھر پہنچ کر خود طاعون کا شکار ہوگئے۔ مرض بڑھتا گیا۔ لوگ عیادت کے لیے مسلسل ان کے پاس آنے لگے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس موقع کو بھی غنیمت سمجھتے ہوئے لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے رہے۔

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں کہ سخت بیماری کی حالت میں لوگوں کو نصیحتیں فرما رہے ہیں۔ اللہ کے راستے میں اپنا مال خوب خرچ کرو، اس سے پہلے کہ تمھاری موت آجائے اور تمھارا سارا مال ورثاء میں تقسیم کردیا جائے۔ لوگو! تم اچھی طرح جان لو کہ تمھارے مال و دولت میں سے تمھارا اس کے سوا کچھ نہیں جو تم نے اللہ کے راستے میں خرچ کرکے یوم آخرت کے لیے آگے بھیج دیا، یا پھر دنیا میں ہی کھا پی لیا۔

آخری ایام میں بیماری بڑھتی گئی تو معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے میرے رب! مجھے جلدی سے اپنے پاس بلا لے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو خوب جانتا ہے کہ میں تجھ سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ اے اللہ! تو یقیناً خوب جانتا ہے کہ میں دنیا میں سرسبز و شاداب درختوں اور باغات کی وجہ سے زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ میں تو صرف راتوں میں تیری عبادت کی لذتیں حاصل کرنے، دن میں تیرے احکام کی تعمیل، پیاسوں کو سخت گرمی میں پانی پلانے اور نیک مجلسوں میں شریک ہونے کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد معاذ رضی اللہ عنہ دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ اس وقت ان کی عمر 38 سال تھی۔



فلسفۂ زندگی اور اصل مقصد

جمیل احمد اعوان

قرآن وسنت سے نابلد کسی قلمکار نے زندگی کو محض افسانوی رنگ میں پیش کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ بلبل نے زندگی کو چہچہانا کہا، کلی نے زندگی کو مسکرانا کہا، ستارے نے زندگی کو ٹمٹمانا کہا، چاند نے کہا زندگی روشنی کا نام، سورج نے کہا زندگی تپتے صحرا کا نام ہے، سمندر نے کہا زندگی اپنی ہستیوں میں ڈوب کر گزارنے کا نام ہے، شاعر نے کہا: زندگی شعروں کا مجموعہ ہے، عاشق نے زندگی کا مقصد، محض تلاشِ محبوب ہی سمجھا۔ وغیرہ فلاسفر موصوف یا وہ قلمکار آگے اپنا فلسفہ بگھارتا ہے کہ زندگی ایسی پہیلی ہے جسے آج تک کوئی بوجھ نہیں سکا۔ ایسے اوچھے حضرات دراصل دوسرے انسانوں کو مقاصدِ زندگی سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے میں رکاوٹ بنتے آ رہے ہیں۔ ان کی پالیسی بڑی گہری ہے کہ انسان عبادات میں محنت اور ریاضت سے دور رہے، اپنی زندگی اور تخلیقی مقصد سے ہٹ کر گویا اپنے الٰہ حقیقی کو بھول کر اپنی من مرضی، آزادی، حدود و قیود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جس ڈگر پر چاہے چلتا رہے بس کھایا، پیا، عیش کی اور چلتے بنے۔ نہ نیکو کاری کی رغبت، نہ کسی گناہ کا خوف، نہ رب کے سامنے حاضری کا ڈر۔

معزز قارئین! اسی حریت زدہ اور کسی فکر سے آزاد نظریہ کو آگسٹائن نے پانچویں صدی میں مذہب میں شامل کرایا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ انسان پیدائش کے وقت آدم علیہ السلام کے گناہ (شجر ممنوعہ کا چکھنا) کا وبال لیے ہوتا ہے اور انسان کے پاس کوئی چارہ نہیں کہ مسیح علیہ السلام کے کفارے (صلب ہونا) کی بدولت پائے، اس لیے کہ مسیح علیہ السلام نے صلب ہو کر امت کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اس کفارہ کے باعث برائیاں، گناہ سب کچھ معاف ہے، یعنی تمھیں فکر کاہے کی؟ (بحوالہ مشہور اناجیل مرتب کرنے والوں میں کوئی بھی مسیح علیہ السلام کا حواری نہ تھا)

تو یہود و نصاریٰ کی حالیہ کیفیت کا خود ہی اندازہ کر لو جو اسی نظریہ کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ اعاذنا اللّٰہ تعالیٰ مذکورہ نظریہ انھی انجیلوں سے کشید ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مذہب کی اجارہ داری چرچ کو ملنے لگی اور چرچ خودمختار ہو گیا۔

تحریف سے قبل کی الہامی کتابوں، قرآنِ مجید اور انبیاء کی تعلیم کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو اپنی اطاعت، عبادت، توحید، تابعداری اور اپنی تعظیم کے لیے پیدا کیا۔ یہ زندگی ایک آزمائش بنا دی اور دنیا آزمائش کا گھر..... جسے دارالمحن کہا گیا ہے۔

مگر ہم نے زندگی کو کولہو کے بیل کی طرح بنا لیا۔ صبح کھایا پیا، کام دھندے پر نکل گئے، شام کو لوٹے، بچوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے، اہل و عیال سے گفتگو کی، چند گھڑیاں ٹی وی پر لچر پروگرام دیکھے اور پھر بستر پر محوِ استراحت ہو گئے، صبح ہوئی پھر وہی روٹین..... اور تخلیق کے مقصد کو اس روٹین پر قربان کر دیا اور اپنے آپ کو خودفریبی کے جال میں پھنسا لیا۔ جبکہ خالق نے اس گھر کا منظر یوں پیش کیا: ''اس زمین پر (دنیا میں) جو کچھ ہے ہم نے اسے زمین کی خوبصورتی اور رونق بنا دیا تا کہ ہم انھیں آزمائیں کہ ان میں سے نیک اعمال کون کرتا ہے۔'' (الکھف 7:18)

اللہ کا بڑا احسان ہے انسان پر کہ اس نے خود ہی انسان کے مقصدِ تخلیق کی نہ صرف وضاحت فرما دی بلکہ ساتھ ساتھ ضروری مسائل اور راہنمائی کے اسباب بھی پیدا کر دیے تا کہ انسان کے لیے زندگی گزارنے میں سہولت و آسانی ہو اور مقصد کو سمجھے۔ کتابیں اور انبیاء کا



سلسلہ اسی راہنمائی کے لیے چلتا رہا جس کا اشارہ اس آیت میں ملتا ہے: ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ ''یقیناً ہم نے انسان کو صحیح راہ بتا دی پس اب وہ حق مانتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔'' (الدھر 3:76) آیت ہذا سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اس کی زندگی آزمائشوں سے بھر دی اور ان آزمائشوں، امتحانوں کی تیاری کے لیے اسے مناسب سوجھ بوجھ، عقل و دانش، فہم و فراست اور راہنمائی کر دی، اسے ایک آزادی اور مناسب قدرت و اختیارات بھی عطا کر دیے تا کہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ میرے احسانات کا شکر بجالاتا ہے یا ناشکری کرتا ہے، یعنی فرمانبردار بن کر زندگی گزارتا ہے یا نافرمان رہ کر۔ فکر کریں کہ ہماری موت دور نہیں۔ اسے آزمانے کے لیے ہی اس کی پیدائش کا بنیادی عنصر اس آیت میں بتایا: ''کہ ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے (دورنگی بوند) سے پیدا کیا تا کہ اسے آزمائیں، سو ہم نے اسے دیکھنے سننے والا بنایا۔'' (الدھر 2:76) اگر انسان کو موت نہ آتی تو یہ زندگی سراسر عبث اور فضول ٹھہرتی، یقیناً اس زندگی کے بعد پھر اس کا نتیجہ ہے جسے ایک معین مدت تک ملتوی رکھا۔ اور انسان کو اس کی زندگی اور اس کے اختتام کے مقصد و مدعا سے آگاہ بھی کر دیا، فرمایا: ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ''یعنی موت اور زندگی کا سلسلہ اس لیے ہے کہ ہمارے اعمال کی جانچ کرے اچھے اعمال کون کرتا ہے۔'' (الملک 2:67) گویا پہلی زندگی میں امتحان، جانچ اور آزمائش اور دوسری زندگی میں نتیجہ۔

فرض کرو پہلی زندگی نہ ہوتی تو عمل کون اور کیسے کرتا؟ اور موت نہ ہوتی تو مبدأ و منتہا سے غافل اور بے فکر ہو کر یہ انسان عمل چھوڑ بیٹھتے۔ پھر غور کریں کہ دوبارہ زندہ کر کے آخرت میں حاضری نہ ہوتی تو برے بھلے کا بدلہ کہاں ملتا۔ پس اس زندگی کو آسائش اور یوں ہی مذاق نہ سمجھیں۔ یہاں ایمان و یقین اور اخلاق و اخلاص کی سخت آزمائش ہوتی ہے۔ کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟ تو کھرے کھوٹے میں چناؤ کے لیے اللہ نے آزمائش کو لازم قرار دیا اور کسی غلط خوش فہمی اور منفی سوچ سے نکلنے کی اطلاع دے دی اور فرمایا: ''کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوی پر کہ ہم ایمان لائے ہیں تو ہم انھیں بغیر آزمائے ہی چھوڑ دیں گے؟ ان سے پہلوں کو بھی خوب جانچا، یقیناً اللہ تعالیٰ انھیں بھی جان لے گا جو سچے ہیں اور انھیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔'' (العنکبوت 3,2:29) اسی طرح سورہ بقرہ میں بھی ایسی آزمائشوں میں خوب جھنجھوڑنے کا ذکر فرمایا۔

معزز قارئین! ان قرآنی نصوص سے پتہ چلا کہ ہر شخص کے ایمان کی آزمائش ہو گی اور ان آزمائشوں کا آنا معمول ہے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اور وضاحت کر دی کہ ہم تمھیں مختلف طریقوں سے آزمائیں گے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''اور ہم کسی نہ کسی طریقہ سے تمھاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کے نقصان سے تو ان پر صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔'' (البقرۃ 155:2)

اور صبر و برداشت کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سبق سکھایا کہ ایسے مصائب اور غم، دکھ کے اوقات میں پڑھا کرو: «اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن» «اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيْبَتِي، وَاخْلُفْ لِي خَيْراً مِنْهَا» ''ہم تو خود اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ اس مصیبت میں مجھے محفوظ رکھ (حفاظت فرما) اور اس سے بہتر بدل عطا فرما۔'' یہ ہے فرمانبرداروں کا شیوہ کہ ہر حال میں راضی برضا الٰہی رہے۔ معلوم ہوا کہ اس زندگی میں انسان کے ہر عمل کو دیکھا جاتا ہے کہ آیا وہ احکامِ الٰہی کے مطابق ہے یا اس کے خلاف۔ اگر انسان فرمانبرداروں کی زندگی بسر کرتے ہوئے (سیدھی راہ پر ہی گامزن رہ کر) موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے تو وہ ایک کامیاب و کامران بندہ بن گیا۔ اور بصورتِ دیگر اگر وہ شیطان کے گمراہ کن راستوں پر چل نکلتا ہے اور پوری زندگی یوں ہی گزارتا ہے تو زندگی کے امتحان میں وہ ناکام و نامراد ہو جاتا ہے اور آخر کار جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ تعالیٰ .

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و فضل سے ہر انسان کو ممکنہ ڈھیل دیتا ہے، مہلت عطا کرتا ہے کہ وہ زندگی کے سفر میں کسی بھی وقت شیطانی اور نافرمانوں کی راہ کو چھوڑ کر رشد و ہدایت کی شاہراہ پر گامزن ہو کر آخرت کی لازوال کامیابی کا حقدار بن جائے۔ پھر کوئی بدقسمت اللہ کی اس فیاضی سے اپنا حصہ وصول نہ کرے تو وہ اپنی ناکامی و نامرادی کا خود ذمہ دار ہے۔

ہوس نے انسان کو اللہ سے بیگانہ کر دیا

خدا کو بھول گئے لوگ فکرِ روزی میں
خیالِ رزق میں خالق کا کچھ خیال نہیں

دنیا میں انسان کے ہوش سنبھالتے ہی (بالغ ہونے کے بعد) اس کا امتحان شروع ہو جاتا ہے جو اس کی موت تک جاری رہتا ہے۔ اس امتحان کا نتیجہ بعض اوقات تھوڑا سا دنیا میں نکل آتا ہے لیکن حتمی نتیجہ قیامت کو ہی نکلے گا۔ جو انسان اس امتحان میں کامیاب ہوا وہ جنت میں چلا جائے گا اور جو ناکام ہوا وہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اسی چیز کی تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوا: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَاتُرْجَعُوْنَ﴾ ''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمھیں یونہی فضول بے کار پیدا کیا (اور محض کھیل کود کے لیے پیدا کیا؟) اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے۔'' (المؤمنون 115:23) یعنی اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو یہ کارخانہ بے کار اور فضول تھا اور کیا وہ عظمت والا، بالاتر، برتر اور مالک علی الاطلاق، وفاداروں، نیکوں اور دوسری طرف مجرموں، بدکاروں کو یوں ہی چھوڑ دے گا؟ اور نیک و بد کو جزا سزا نہ دے گا؟

پس اس زندگی کو بھی سمجھیں اور اگلی دائمی زندگی کو بھی سامنے لائیں تو خود بخود زندگی کے مقصد سے پھر مزید آگاہ ہو جائیں گے۔ اصل امتحان یہ ہے کہ انسان زندگی کی خوشحالی و بدحالی کے موقع پر، نعمت و تکلیف، خوشی و غمی پر کیسا رویہ اختیار کرتا ہے، آیا میانہ روی اختیار کرتا ہے یا انتہا پسندی پر اتر آتا ہے، یعنی اللہ کے احکام اور اس کی رضا کو سامنے رکھتا ہے یا شیطان کو خوش کرنے کا راستہ اپناتا ہے۔ اسی پر انسان کی کامیابی و ناکامی کا انحصار ہے، مثلاً: انسان نے بچپن کیسے گزارا؟ جوانی کے ایام کن حالات میں بسر کیے؟ بڑھاپا کس طرح گزارا؟ ان سب حالات میں انسان نے اپنے والدین، بیوی بچے یا خاوند اور بچوں، رشتہ داروں، ہمسایوں، چھوٹوں، بڑوں، اساتذہ کرام، امیروں، غریبوں، کمزوروں، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ خوشی و غمی کے موقع پر کیسا رویہ اختیار کیا۔ اگر احکامِ الٰہی کے مطابق تھا تو پھر ہر عمل کا ثواب ملے گا اور جنت میں جانے کا سبب بھی ہوگا۔ اگر اس کے برعکس ہوا تو ہر عمل گناہ، اللہ کی ناراضگی کا سبب بن کر اسے واصل جہنم کر سکتا ہے، پس چاہیے کہ انسان اللہ کی عبادت و بندگی اعلیٰ درجے میں کرے۔ اور بکثرت کرے۔

دوسرے مقام پر انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مقصد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِO مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِO اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ O﴾ ''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا، مجھے نہ ان سے رزق چاہیے نہ ہی میں چاہتا ہوں کہ مجھے کھلائیں۔ بے شک اللہ خود ہی بہت بڑا رازق ہے، بڑا مضبوط اور صاحبِ قوت ہے۔'' (الذاریات 56:51-58)

تمام امور و معاملات سنت کے مطابق ہوں تو یہ سب عبادات میں شامل ہیں، باعثِ ثواب ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ عبادت فقط رکوع سجود کا نام ہے جس کے لیے جن و انس کو تخلیق کیا گیا تو انھوں نے غلط سمجھا۔

گویا ہر حاجت و ضرورت اور اس عطا شدہ زندگی کا پہیہ چلانے کے لیے بنیادی طور پر اس انسان کو رزق کی ضرورت تھی تو ساتھ اس کا انتظام کر دیا۔ گویا انسان اللہ کی بندگی کے لیے ہمہ وقت تیار ہے، یہ لوازمات کلی اس کے ساتھ لگا دیے اور پھر یہی لوازمات بہتر طریقے سے حاصل کرے تو انھیں ہی عبادت میں شامل کر دیا۔ اللہ اکبر۔

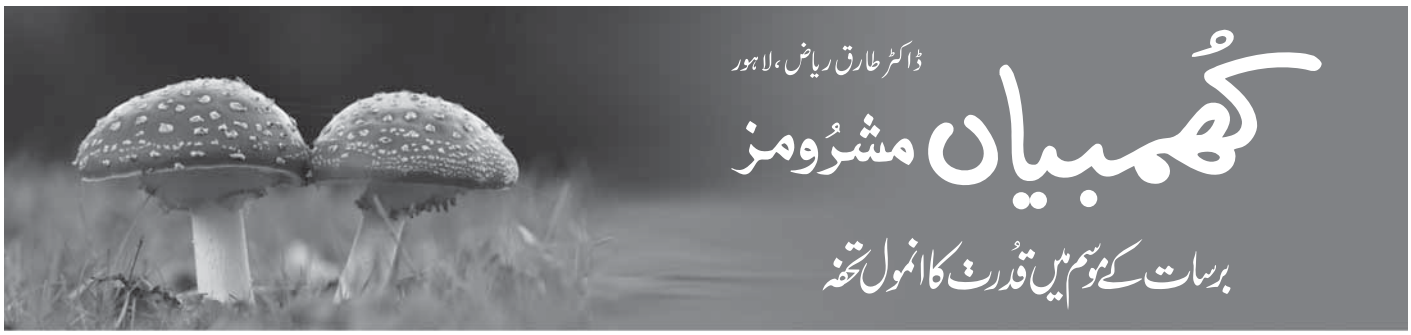
اب سمجھ لیں زندگی کا مقصد کیا ہے؟

بس یہی کہ اپنی پہچان کرانے کو انسان کی تخلیق کی، اپنی عبادت کرانے کو زندگی عطا کی، لوازمات ساتھ لگا دیے جن کے سہارے زندہ رہ کر عبادت کرتے کرتے کچھ معین مدت گزار کر آخرت کی طرف لوٹ کر میرے پاس آ جائے اور حساب کتاب دے کہ زندگی کیسے گزاری؟ جبکہ میں (اللہ تعالیٰ) نے اس قدر مہلت دی اور پھر حسبِ عمل جزا و سزا اور بس.....۔

(تفسیر فاطر: 37/40)

زندگی کے بارے میں غلط نظریے کے حامل ہر شخص سے میری گزارش ہے کہ انسانی زندگی کو محض شعر، جملے، نظارے، استعارے اور تشبیہات یا جائے عیش و عشرت نہ گردانے بلکہ زندگی کی حقیقت اور اس کے اصل مقصد کو سمجھے۔ ان سلف صالحین کی زندگی کو دیکھے جو اگلی زندگی میں محشر کے خوف اور اللہ کے سامنے حاضری سے ڈرتے، کانپتے تھے اور اسی خوف میں آنسوؤں کی لڑیاں پروتے تھے۔





کھُمبیاں مشرُومز

ڈاکٹر طارق ریاض، لاہور

برسات کے موسم میں قدرت کا انمول تحفہ

پاکستان میں بارشوں کے موسم کو عموماً مون سون سیزن کہا جاتا ہے۔ اس موسم میں دو چیزیں بکثرت دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اول آم وہ بھی طرح طرح کے ذائقوں میں اور دوم کھمبیاں یعنی مشرومز (Mushrooms)۔ کھمبی کے بارے میں اکثر لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ سانپ کی چھتری ہے۔ پرانے لوگ کھمبیوں کو جن کی نسوار یا سانپ کے انڈے بھی کہتے ہیں، حالانکہ مشرومز جانداروں کے ایک بڑے گروہ سے تعلق رکھتی ہیں جنھیں فنجائی (Fungi) یا پھپھوندی کہا جاتا ہے۔ لوگ بال بچوں کو انھیں ہاتھ لگانے سے روکتے ہیں اور ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ ٹھیک بھی ہے کیونکہ چند کھمبیاں واقعی زہریلی ہوتی ہیں اور ان کو ہاتھ لگانا یا کھانا مہنگا بھی پڑ سکتا ہے۔

فنجائی (Fungi) کبھی نباتات کے ساتھ شمار ہوتی تھیں۔ کیونکہ پودوں کے سیلز (Cells) کی طرح فنجائی کے سیلز یا خلیے کے باہر بھی ایک غلاف ہوتا ہے جسے سیل وال (Cell wall) کہا جاتا ہے۔ پودوں میں سیل وال سیلولوز (Cellulose) جبکہ فنجائی میں سیل وال ایک اور کیمیائی مادے کائی ٹن (Chitin) کی بنی ہوتی ہے۔ یہ جاندار جانوروں کی طرح اپنی خوراک خود تیار نہیں کرتے۔ اسی لیے یہ خوراک حاصل کرنے کے لیے دوسرے جانداروں یا عوامل پر انحصار کرتے ہیں۔ مشرومز کا تعلق بھی کیونکہ اسی گروہ سے ہے۔ لہٰذا ان میں بھی یہی خصوصیات ہوتی ہیں جن کا تذکرہ اوپر ہوا ہے۔ انسان نے فنجائی کے بارے میں آگاہی کی ابتدا مشرومز سے کی تھی اسی لیے فنجائی کے مطالعہ کو Mycology (مائیکالوجی) کہا جاتا ہے۔ لفظ ''Myco'' یونانی لفظ ''Mykes'' سے لیا گیا ہے جس کا مطلب ہے ''مش روم'' یعنی کھمبی اور ''Logy'' (لوجی) بھی یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''مطالعہ کرنے کے ہیں'' یعنی مشرومز کا مطالعہ مائیکالوجی (Mycology) کہلاتا ہے۔ بعد ازاں مزید فنجائی دریافت ہونا شروع ہوئیں تو معلوم ہوا کہ فنجائی جانداروں کا ایک علیحدہ گروہ ہے، چنانچہ انھیں عالم حیوانات اور عالم نباتات سے علیحدہ عالم فنجائی ''Kingdom Fungi'' کا نام دے دیا گیا۔ اس کنگڈم میں ایک لاکھ سے زائد اقسام کی فنجائی دریافت کی جا چکی ہیں۔

پاکستان کا گرم و مرطوب موسم جو مون سون کے دنوں میں اپنے عروج پر ہوتا ہے کھمبیوں کے لیے بڑا سازگار ہے۔ کھمبیاں دیگر فنجائی کی طرح باریک باریک خورد بینی ریشوں سے مل کر بنتی ہیں۔ ان ریشوں کو ھائفی (Hyphae) کہا جاتا ہے۔ جنھیں مجموعی طور پر مائی سیلیم (Mycelium) کہا جاتا ہے۔ یہ ریشے یا ہائفی زیر زمین دور تک پھیلے ہوتے ہیں۔ یہ فاصلہ چند سینٹی میٹروں سے لے کر کئی میٹروں پر محیط ہوتا ہے۔ ان میں باضابطہ جڑ، تنا اور پتے نہیں ہوتے۔ تاہم چند ریشے پانی و نمکیات جذب کرتے ہیں۔ جبکہ دیگر ریشے چھتری نما ساخت بناتے ہیں جو زمین میں شروع میں ایک سفید سے بٹن کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ بٹن رفتہ رفتہ بڑا ہوکر پوری چھتری یا ''Fruiting body'' بنا دیتا ہے۔ اس باڈی کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک سٹاک (Stalk) جسے Stipe (تنے کی طرح) کہا جاتا ہے جبکہ چھتری نما ساخت کو ''Pileus'' کہا جاتا ہے۔ اس چھتری کے نیچے لائنیں بچھی دکھائی دیتی ہیں جنھیں گلز (Gills) یا Lamellae کہا جاتا ہے۔ مشروم کے Stipe پر ایک چھلا سا بھی ہوتا ہے جسے Annulus کہا جاتا ہے۔ گلز پر خوردبینی سپورز (Spores) پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بے حساب پیدا ہوتے ہیں اور وہی کام آتے ہیں جو پودوں میں بیج (Seeds) پیدا کرتے ہیں، یعنی تولیدی عمل میں حصہ لیتے ہوئے نسل کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہ سپورز ابتدا میں بے رنگ (Hyaline) ہوتے ہیں لیکن میچور



(Mature) ہونے پر سیاہ مائل، بھورے یا چند اور رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ ہوا اور پانی کے بہاؤ پر یہ سپورز دور دور تک پہنچ جاتے ہیں اور ایسے مقامات جہاں گلے سڑے مادے، پتے، بھوسہ، بیکار مادے، فضلے و بے کار نامیاتی مادے میسر ہوں وہاں اگنا پسند کرتے ہیں۔ مش روم کے ہائفی ایسے خامرے یعنی (Enzymes) خارج کرتے ہیں جو مردار اشیاء کو گلا سڑا دیتے ہیں یوں ایک طرف مشرومز کو خوراک حاصل ہوتی ہے تو دوسری جانب نامیاتی مادوں کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے زمین کی زرخیزی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ ماحولیاتی اعتبار سے کھمبیاں ماحول دوست ہیں۔ ہوا یا پانی کے ذریعے بکھرنے والے سپورز ساز گار حالات میں اگنا شروع کر دیتے ہیں اور نسل آگے بڑھانے کے لیے چھتری نما کھمبیاں پیدا کرتے ہیں۔ یوں افزائش نسل کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

مشرومز اور انسان کا تعلق بڑا قدیم ہے۔ قدیم زمانے میں فوجی جب بھوک پیاس محسوس کرتے تھے تو جنگلوں، بیابانوں میں پائی جانے والی کھمبیوں سے غذا و نمی حاصل کرتے تھے۔ قدیم لٹریچر میں مصریوں اور چینی اقوام کا ذکر ملتا ہے جن کے خیال میں کھمبیاں ''دیوتاؤں کی خوراک'' ہے۔ رفتہ رفتہ انسانی شعور بڑھا تو معلوم ہوا کہ مجموعی اقسام میں سے صرف چند کھمبیاں زہریلی ہوتی ہیں وگرنہ زیادہ تر کھمبیاں کھائی جا سکتی ہیں۔

کھمبیاں اب دنیا کے کئی ممالک میں باقاعدہ کاشت کی جاتی ہیں جن میں جاپان، کوریا، تھائی لینڈ، چین اور کئی یورپی ممالک خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کی وجہ مشرومز میں پائی جانے والی غذائیت ہے۔ یہ کم کیلوریز والی غذا ہے جو پروٹین اور دیگر نمکیات سے لبریز ہوتی ہیں۔ دوسرے انھیں کم جگہ حتی کہ ٹرے میں ڈبل بیڈ کے نیچے بھی پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔ پاکستان میں بھی مختلف شہروں جیسے فیصل آباد، لاہور اور کراچی وغیرہ میں سپورز کے پیکٹ ملتے ہیں۔ جو عام آدمی بھی خرید سکتا ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی اور غذائی قلت کو پورا کرنے کے لیے کھمبیوں کی کاشت ایک بہترین رستہ ہے پھر غذائیت میں بھی کھمبیاں بے مثال ہیں۔ مشرومز ذائقے دار اور خوشبو دار ہوتی ہیں۔ ان میں 30 سے 50 فیصد تک پروٹینز پائی جاتی ہیں۔ پاکستان جیسے غریب ملکوں میں پروٹین کی غذائی کمی کو بآسانی پورا کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ وٹامن بی کمپلیکس، وٹامن D، کیلشیم، سوڈیم، زنک، فاسفورس، پوٹاشیم، سلفر، لوہا، میگا نیز اور کاپر کا بھی ذخیرہ ہیں۔ ان تمام نمکیات کی انسانی جسم کو مناسب نشو ونما کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ جدید طبی تحقیقات سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ان کا غذائی استعمال انسانوں کو کئی امراض سے بھی بچاتا ہے۔ فرعون کے زمانے میں جنسی قوت حاصل کرنے کے لیے کھمبیاں کھائی جاتی تھیں۔ اہل مصر، اہل چین اور اہل یورپ کے لٹریچر میں بھی کھمبیوں کے طبی فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ حدیث شریف میں حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ پیارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کھمبی کے پانی کو آنکھ کے لیے شفا بخش قرار دیا۔ مشرومز بآسانی ہضم ہو جاتی ہیں اور عضلات کو مضبوطی فراہم کرتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کون کون سی اقسام قابل استعمال ہیں تو اس سوال کا جواب ایک ماہر دے سکتا ہے کیونکہ وہی مشرومز کی قابل استعمال اور زہریلی اقسام میں فرق کر سکتا ہے۔ زہریلی کھمبیاں خوبصورت، دیدہ زیب اور چمکیلی ہوتی ہیں۔ سالن پکاتے ہوئے ہانڈی کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔ سالن کا ذائقہ کڑواہٹ پر ہو تو یقیناً کھمبی زہریلی ہوتی ہے۔ کٹی ہوئی پیاز پر اس کا عرق ڈالیں اور وہ نیلی (Blue) ہو جائے تو کھمبی زہریلی ہے۔

کھمبیوں کی چند اقسام جاپان میں پائی جاتی ہیں جنھیں '' Luminescent Mushroom'' کہا جاتا ہے۔ یہ رات کو چمکتی (Glow) ہیں۔ یہ چند دنوں کے لیے بارش کے دنوں میں نکل آتی ہیں اور گلی سڑی جھاڑیوں و ڈنڈیوں پہ نکل آتی ہیں۔ مشرومز درختوں کی جڑوں کے ساتھ دوستی کا رشتہ بھی بناتی ہیں جس تعلق کو Mycorrhiza کہا جاتا ہے۔ مشرومز پانی و نمکیات جذب کر کے درختوں کو دیتی ہیں اور درختوں کی جڑوں میں آنے والی خوراک فنجائی کو میسر آ جاتی ہے۔ مشرومز کی مختلف ڈشیں اب اچھے ریستورانوں اور ہوٹلوں پہ مل جاتی ہیں۔ سردیوں کی آمد کے دنوں میں ان کا سوپ بڑا صحت افزا ثابت ہوتا ہے۔ مشرومز پکاتے ہوئے ان باتوں کا دھیان رکھنا چاہیے کہ انھیں پانی میں دھونے کے لیے کم از کم وقت کے لیے گیلا کریں، چھیلنے کی ضرورت نہیں۔ نیز ہلکی آنچ پر کھمبیاں پکانی چاہییں۔ ہمیشہ بڑی بڑی چھتریوں والی کھمبیاں پکانی چاہییں۔ واقعی انسان پروردگار کی کسی نعمت کو جھٹلا نہیں سکتا۔ امید ہے کہ اس برس آپ بھی کھمبیوں کو سانپ کی چھتری سمجھنے کی بجائے ان سے پیار کریں گے۔

دنیا کا جغرافیہ دیکھیے

محسن فارانی

قسط: 5



مجمع الجزائر جاپان کو چڑھتے سورج کی سر زمین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نام اس وقت پڑا تھا جب دنیائے مشرق کا آغاز جاپان سے سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس کے مشرق میں واقع بحر الکاہل (Pacific Ocean) کی ابھی مساحت نہیں ہوئی تھی، اس کا امریکی ساحل کسی نے دیکھا نہیں تھا اور زمین کے گول ہونے کو ابھی کسی جہازران نے کرۂ ارض کے گرد چکر لگا کر عملاً ثابت نہیں کیا تھا۔ اب اگرچہ جغرافیائی طور پر کرۂ ارض کا کوئی مخصوص مشرق یا مغرب نہیں، تاہم قدیم دور کی ان اصطلاحات سے وہی پہلے کا تصور وابستہ چلا آ رہا ہے بلکہ سیاسی لحاظ سے یورپ اور امریکہ و کینیڈا کو خصوصی طور پر مغرب کہا جاتا ہے حتیٰ کہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ جو مشرق میں واقع ہیں، وہ بھی گوروں کی نو آبادیاں ہونے کے باعث مغرب میں شمار ہوتے ہیں۔ ادھر وسطی اور جنوبی امریکہ کے ممالک اگرچہ جغرافیائی لحاظ سے مغرب میں ہیں مگر وہ سیاسی لحاظ سے مغرب میں شمار نہیں ہوتے کیونکہ وہ بھی افریشیائی ممالک کی طرح یورپی یا مغربی اقوام کے غلام رہے۔

براعظم ایشیا کے شمال مشرق میں چھوٹے بڑے تقریباً 4 ہزار جزیروں کا ایک گروہ نظر آتا ہے، اس مجمع الجزائر میں چار پانچ بڑے جزیرے ہیں جن کے نام یہ ہیں: ہونشو، ہوکیڈو، کیوشو، شکوکو اور سکھالین۔ ان کے علاوہ ہوکیڈو کے شمال مشرق میں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی ایک قوس روسی سائبیریا کے جزیرہ نما کمچٹکا تک چلی گئی ہے۔ یہ جزائر کیورائل کی قوس ہے۔ سکھالین اور جزائر کیورائل بھی ایک صدی پہلے جاپان کے تسلط میں تھے مگر دوسری جنگ عظیم (45-1939ء) میں محوری طاقتوں جاپان اور جرمنی کی شکست کے بعد روس نے ان پر قبضہ جما لیا، تاہم جاپان کا ان پر دعویٰ بدستور قائم ہے۔

جاپان اس وقت چار بڑے جزائر ہونشو،

ہوکیڈو، کیوشو اور شکوکو پر مشتمل ہے جن کے مشرق اور جنوب میں بحرالکاہل، مغرب میں بحیرۂ جاپان، شمال میں بحیرہ اوخوٹسک اور جنوب مغرب میں بحیرۂ چین مشرقی واقع ہیں۔ جزیرہ کیوشو کے جنوب مغرب میں چھوٹے چھوٹے جزائر کا مجموعہ ''ریوکو'' بھی جاپان میں شامل ہے۔ یہاں جزیرہ اوکیناوا میں امریکی بحری اڈا قائم ہے۔ مغرب میں آبنائے کوریا جاپان کو جنوبی کوریا سے جدا کرتی ہے جبکہ شمالی جزیرہ ہوکیڈو اور سکھالین کے درمیان آبنائے لاپیروز حائل ہے۔ آبنائے کوریا میں سوشیما اور کوسا کی نامی چھوٹے جزیروں کا جوڑا بھی جاپان کی ملکیت ہے۔

جزیرہ ہونشو

نعل نما ہونشو جاپان کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اس پر ملکی دارالحکومت ٹوکیو کے علاوہ کیوٹو، ناگویا، اوساکا، ہیروسا کی، ہیروشیما، کوبے اور یوکوہاما نامی بندرگاہ واقع ہیں۔ اور تو اور یہاں ٹویوٹا، ہٹاچی اور کاواسا کی نامی شہر بھی ہیں جن کے ناموں سے ہمارے ہاں بچہ بچہ واقف ہے۔ یہاں سندائی اور فوکوشیما بھی ہیں جہاں پچھلے دنوں سمندری سونامی نے بہت تباہی مچائی تھی (لفظ سونامی Tsunami بھی جاپانی زبان کا ہے۔) 1922ء میں یوکوہاما میں خوفناک زلزلے سے بڑی تباہی مچی تھی اور سولہ سال پہلے جنوری 1995ء میں پندرہ لاکھ آبادی کا شہر کوبے ایک شدید زلزلے نے تباہ کر دیا تھا۔ کوبے کے شمال میں کیوٹو جاپان کا قدیم دارالحکومت ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 15 لاکھ ہے اور یہ 794ء سے 1868ء تک ملک کا شاہی دارالحکومت رہا۔ ہیرو شیما جنوبی ہونشو کے ساحل پر واقع ایک تاریخی شہر ہے جس کی آبادی تقریباً گیارہ لاکھ ہے۔ امریکہ نے 6 اگست 1945ء کو دنیا کا پہلا ایٹم بم ہیروشیما پر پھینکا تھا جس نے اس صنعتی شہر میں بڑی تباہی مچائی تھی۔ ایک لاکھ انسان آناً فاناً ہلاک ہو گئے تھے۔ امریکہ چھ سالہ جنگ عظیم کا خاتمہ چاہتا تھا جبکہ جاپانی آخری گولی تک جنگ جاری رکھنے پر تلے ہوئے تھے۔ ہونشو کی آبادی دس کروڑ کے لگ بھگ ہے۔

جزیرہ ہوکیڈو

یہ جاپان کا دوسرا بڑا جزیرہ ہے۔ ساپورو، اوبی ہیرو، کوشیرو، ہاکوڈاتی، اساہی کاوا، کتامی اور ٹوماکومائی اس کے مشہور شہر ہیں۔ ہوکیڈو کی آبادی تقریباً 57 لاکھ ہے۔ اس کا دارالحکومت ساپورو ہے۔

جزائر کیوشو اور شکوکو

جاپان کا تیسرا بڑا جزیرہ کیوشو بحر الکاہل، آبنائے کوریا اور بحیرۂ چین مشرقی سے گھرا ہوا ہے۔ کوماماٹو، کاگوشیما، میازاکی، ناگاساکی اور فکوکا مشہور شہر ہیں۔ اس کی آبادی ایک کروڑ 35 لاکھ کے قریب ہے۔ دارالحکومت فکوکا اس کے شمال مغربی ساحل پر واقع ہے۔ تاریخی شہر ناگاساکی اس کے ایک چھوٹے سے جزیرہ نما پر واقع ہے۔ 9 اگست 1945ء کو امریکہ نے اس پر دوسرا ایٹم بم گرایا تھا جس سے ایک تہائی شہر تباہ ہو گیا تھا اور 75 ہزار انسان ہلاک ہو گئے تھے۔ اس کے بعد 15 اگست کو جاپان نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ ناگاساکی کی آبادی تقریباً ساڑھے چار لاکھ ہے۔

جزیرہ شکوکو جزیرہ ہونشو کے جنوب میں واقع ہے۔ ٹوکوشیما، ٹاکاماتسو، نائی ہاما، ماتسویاما اور کوچی اس کے مشہور شہر ہیں۔ یہ جاپان کے چار بڑے جزائر میں سے سب سے چھوٹا ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 42 لاکھ اور دارالحکومت ماتسویاما ہے۔ بحرالکاہل سے منسلک اندرونی سمندر اسے شمال میں جزیرہ ہونشو سے اور جنوب میں کیوشو سے جدا کرتا ہے۔

دارالحکومت ٹوکیو

یہ شہر ماضی میں ایڈو کہلاتا تھا اور شوگن بادشاہت (1603ء تا 1867ء) کے تحت فوجی حکومت کا مرکز تھا۔ اسے 1868ء میں ٹوکیو کا نام دیا گیا اور اس نے قدیم دارالحکومت کیوٹو کی جگہ لے لی۔ ٹوکیو کی آبادی تقریباً 82 لاکھ ہے (1990ء)۔ ''ٹوکیو'' کے معنی ہیں'' مشرقی دارالحکومت'' اور یہ صوبہ کانتو کا بڑا شہر اور دارالحکومت ہے۔ یہ خلیج ٹوکیو کے ساحل پر آباد ہے۔ اس کے جنوب میں کاواسا کی اور اس کے جنوب میں یوکوہاما واقع ہیں۔

جاپان کی مختصر تاریخ

تاریخی ریکارڈ کے مطابق شاہ جمو (Jimmo) نے 660 ق م میں ان جزائر کو ایک سلطنت میں متحد کیا تھا۔ بارہویں صدی عیسوی سے جاپان پر یکے بعد دیگرے جنگجو خانوادوں کا تسلط رہا۔ 1867ء میں شاہ میجی کے تحت شاہانہ اختیارات بحال ہوئے تو جاپان میں جدید دور کا آغاز ہوا اور اس نے تعلیم کو خصوصی اہمیت دے کر نصف صدی کے اندر عالمی طاقت کا درجہ حاصل کر لیا۔ جاپان

نے 95-1894ء میں چین کو اور 1905ء میں روس کو شکست دی۔ ایک ایشیائی طاقت کے ہاتھوں ایک یورپی طاقت روس کی شکست جدید تاریخ کا اہم واقعہ تھا کیونکہ روس نے پچھلی چار صدیوں سے کوئی بڑی شکست نہیں کھائی تھی۔ پہلی جنگ عظیم (18-1914ء) میں جاپان اتحادیوں (برطانیہ، فرانس، روس اور امریکہ) کے ساتھ تھا۔

1910ء میں کوریا پر قبضہ کر کے جاپان نے توسیع پسندی کی روش اختیار کی تھی۔ 1931ء میں چین کے علاقہ منچوریا پر قبضہ کر لیا اور 1937ء میں چین پر حملہ کر کے اس کے بڑے حصے پر تسلط جما لیا۔ 1936ء میں جاپان جرمنی کے ساتھ اور بعد میں اٹلی کے ساتھ فوجی اتحاد قائم کر چکا تھا، چنانچہ یہ تینوں ممالک اتحادیوں کے مقابلے میں محوری طاقتیں کہلائے کیونکہ جنگ عظیم میں ان کا عروج اور پھر شکست محور کے گرد گردش کی طرح تھی۔ دسمبر 1941ء میں جاپان بحر الکاہل کے امریکی اڈے پرل ہاربر (جزائر ہوائی) پر اچانک حملہ کر کے دوسری جنگ عظیم میں شامل ہوا اور جاپانی فوجیں فلپائن، ویت نام، کمبوڈیا، لاؤس، تھائی لینڈ، انڈونیشیا، ملایا اور برما پر قبضہ کرتی ہوئی برطانوی ہند کے صوبہ آسام میں داخل ہو گئیں، نیز بحر الکاہل کے جزیرے گوام، نیوگنی اور جزائر سولومن بھی فتح کر لیے۔ پھر اتحادیوں کے جوابی حملے سے جاپانیوں کی پیش قدمی رک گئی اور اگست 1945ء میں ہیروشیما اور ناگاساکی دو شہروں پر امریکہ نے دو ایٹم بم گرا دیے تو جاپان کی مزاحمت دم توڑ گئی۔ امریکی فوجوں نے جاپان پر قبضہ کر لیا اور امریکہ کے زیر اثر 1946ء میں جاپان ایک آئینی بادشاہت میں تبدیل ہو گیا۔ جاپانی بادشاہ ہیرو ہیٹو اپنے نام نہاد الوہی اختیارات سے دستبردار ہو گئے۔

جاپان زلزلوں، آتش فشاں اور سونامی کی زد میں

جاپان کا بیشتر علاقہ جنگلات سے ڈھکے پہاڑی سلسلوں اور پہاڑیوں پر مشتمل ہے جن میں کئی تیز رفتار چھوٹے دریا بہتے ہیں اور ان میں چھوٹی جھیلیں بھی ہیں۔ صرف ایک تہائی زمین تعمیرات اور کاشتکاری کے لیے موزوں ہے۔ جاپان کے پہاڑوں میں آتش فشاں بھی ہیں جن میں سے 600 ہنوز زندہ ہیں جو وقتاً فوقتاً آگ اگلتے رہتے ہیں۔ جاپان کا بلند ترین پہاڑ ''فیوجی یاما'' بھی ایک آتش فشاں ہے جو آخری بار 1707ء میں پھٹا تھا۔

دراصل جاپان زلزلوں کے خط (Fault Line) پر واقع ہے اور یہاں ہر سال اوسطاً 5000 چھوٹے بڑے زلزلے آتے ہیں، جبکہ جاپان کا مشرقی ساحل سونامی لہروں کی زد میں رہتا ہے جو زیر بحر زلزلوں کے باعث جنم لیتی ہیں اور ساحلی علاقوں میں سیلاب لا کر تباہی مچاتی ہیں۔

جاپان: ایک صنعتی طاقت

جاپان کا رقبہ 1,52,200 مربع میل یعنی پاکستان سے نصف اور آبادی ساڑھے بارہ کروڑ ہے۔ اس کے پاس قدرتی وسائل کی کمی ہے مگر یہ نئی ٹیکنالوجی میں سرمایہ کاری اور انتہائی لائق و فائق ورک فورس کی بنا پر ایک انتہائی ترقی یافتہ ملک اور علاقے کی سرکردہ اقتصادی طاقت بن چکا ہے۔ اس بنا پر اسے ''جی 8'' ممالک کی رکنیت حاصل ہے۔ برقی سامان مثلاً کمپیوٹر، ٹی وی، کیمرے، کیمیکلز اور موٹر کاریں بنانے میں جاپان کا کوئی ثانی نہیں۔ جاپان کو اپنی صنعتوں کے لیے بیشتر خام مال اور تیل دساور سے درآمد کرنا پڑتا ہے۔

جاپان کی سب سے بڑی فصل چاول ہے، تاہم اسے اکثر غذائی اشیاء درآمد کرنی پڑتی ہیں۔ اس کے پاس ایک بڑا ماہی گیری کا بیڑا ہے اور جاپانی کسی بھی اور قوم کی نسبت مچھلی زیادہ کھاتے ہیں۔

ملک کا جاپانی نام نپون (Nippon) ہے جس کے معنی ہیں: ''چڑھتا سورج'' چینی اسے ربن (Riben) کہہ کر پکارتے ہیں اور اسی سے دنیا میں اس کا نام جاپان مشہور ہوا۔

جاپانی زبان کی انفرادیت

جاپانی زبان میں بہت سے چینی الفاظ شامل ہیں۔ اس میں تذکیر و تانیث ہوتی ہے نہ حروفِ تنکیر (Articles)، اور اسماء یا افعال کی جمع بھی نہیں ہوتی۔ جاپانی زبان دائیں سے بائیں یا بائیں سے دائیں کے بجائے اوپر سے نیچے کو لکھی جاتی ہے۔ اس کی علامات کانجی (Kanji) چینی سے مستعار ہیں جو ابتدائی عیسوی صدیوں میں لی گئی تھیں۔ ان کے ساتھ بطور معاون دو قسم کے ہجائی حروف (Syllabic Characters) استعمال ہوتے ہیں جنھیں Hiragana اور Katakana کہا جاتا ہے۔

ماہِ شعبان

اہم واقعات وحَوادث

محمد ارشد کمال

پہلی صدی ہجری سے لے کر چودہ سو اکیس، یعنی 622ء سے 2000ء تک اسلامی تاریخ میں رونما ہونے والے واقعات وحوادث پیش خدمت ہیں۔

واقعات وحوادث	سن ہجری	سن عیسوی
فرضیت صوم رمضان	2ھ	فروری 624ء
(المنتظم 292/1)		
وفات سیدنا عثمان بن مظعون	3ھ	جنوری 625ء
(المنتظم 330/1)		
ام المؤمنین سیدہ حفصہ کا نکاح ہمراہ نبی کریم ﷺ	3ھ	جنوری 625ء
(المنتظم 338/1)		
ولادت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما	4ھ	جنوری 625ء
(المنتظم 336/1)		
غزوۂ بدر (الصغری)	4ھ	جنوری 626ء
(ابن ہشام 149/4)		
غزوۂ بنی مصطلق یا مریسیع	5ھ	دسمبر 326ء
(المغازی للواقدی، ص: 299)		
سریہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ازطرف دومۃ الجندل	6ھ	دسمبر 627ء
(المغازی، ص 397)		
سریہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ازطرف بنی سعد	6ھ	دسمبر 627ء
(المغازی، ص 398)		
سریہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ازطرف تربہ	7ھ	دسمبر 628ء
(المغازی ص 493)		
سریہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ازطرف نجد	7ھ	دسمبر 628ء
(المغازی ص 494)		
سریہ سیدنا بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ ازطرف فدک	7ھ	دسمبر 628ء
(المغازی ص 494)		
سریہ سیدنا ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ ازطرف خصرہ	8ھ	نومبر 629ء
(المغازی ص 527)		
وفات سیدہ ام کلثوم بنت سید البشر ﷺ	9ھ	نومبر 630ء
(ابن سعد: 43/8)		
وفد خولان کی آمد	10ھ	نومبر 631ء
(عیون الاثر 311/2)		
جنگ جسر	13ھ	اکتوبر 634ء
(المنتظم 466/1)		
وفات سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ	20ھ	جولائی 640ء
(ابن سعد 606/3)		
وفات ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا	45ھ	اکتوبر 665ء
(مستدرك حاكم 15/4)		
وفات سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	50ھ	اگست 670ء
(ابن سعد 20/6)		
واقعہ دیر الجماجم	82ھ	ستمبر 701ء
(المنتظم 289/2)		
شہادت جناب سعید بن جبیر رحمہ اللہ	95ھ	اپریل 713ء
(تہذیب الکمال 110/4)		



وفات خلیفہ یزید بن عبدالملک وخلافت ہشام	105ھ	جنوری 724ء
(صحيح تاريخ طبري 267/4)		
ابومسلم الخراسانی کا قتل	137ھ	جنوری 755ء
(خلیفہ ص 272)		
وفات امام سفیان ثوری رحمہ اللہ	161ھ	مئی 777ء
(سیر 156/6)		
وفات امام لیث بن سعد رحمہ اللہ	175ھ	دسمبر 791ء
(ابن سعد 326/7)		
ولادت خلیفہ معتصم باللہ	180ھ	نومبر 796ء
(تاريخ مدينة السلام 552/4)		
وفات محدث عبداللہ بن وھب المصری	197ھ	مئی 813ء
(المنتظم 216/3)		
وفات امام ابونعیم فضل بن دکین	219ھ	ستمبر 834ء
(خلیفہ ص 316)		
خلیفہ معتصم باللہ کی رومیوں سے جنگ	223ھ	جولائی 838ء
(الکامل 198/3)		
وفات امام زہیر بن حرب رحمہ اللہ	234ھ	مارچ 849ء
(المنتظم 370/3)		
وفات امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ	238ھ	فروری 852ء
(الكنى والاسماء للدولابي 348/2)		
فارس میں خوفناک زلزلے سے تباہی	242ھ	دسمبر 856ء
(المنتظم 394/3)		
وفات امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ	277ھ	نومبر 890ء
(تاريخ مدينة السلام 422/2)		
وفات محمد بن حسن ابن درید النحوی رحمہ اللہ	321ھ	اگست 933ء
(المنتظم 140/4)		
بغداد میں شیعہ سنی فسادات بہت سارے لوگ مارے گئے	349ھ	اکتوبر 960ء
(المنتظم 199/4)		
وزیر ابوالفضل شیرازی نے کرخ شہر جلا دیا	362ھ	مئی 973ء
(الکامل 57/4)		
بغداد میں طوفانی آندھی سے تباہی	378ھ	دسمبر 988ء
(المنتظم 262/4)		

ولادت امام بیہقی رحمہ اللہ	384ھ	ستمبر 994ء
(ابن خلكان 81/1)		
بغداد میں طوفانی آندھی سے تباہی	399ھ	اپریل 1009ء
(المنتظم 307/4)		
ولادت حافظ ابونصر ابن ماکولا	422ھ	جولائی 1031ء
(سیر 677/11)		
بغداد میں طوفانی بارش سے تباہی	436ھ	فروری 1045ء
(المنتظم 388/4)		
شام اور اس کے مضافات میں خوفناک زلزلہ	455ھ	اگست 1063ء
(المنتظم 440/4)		
وفات امام ابن حزم رحمہ اللہ	456ھ	اگست 1064ء
(ابن خلكان 265/3)		
دمشق میں شرپسندوں نے آگ لگا دی، جامع دمشق بالکل جل گئی	458ھ	جولائی 1066ء
(المنتظم 445/4)		
بغداد میں گرم آندھی	459ھ	جون 1067ء
(المنتظم 447/4)		
وفات خلیفہ القائم بامر اللہ وخلافت المقتدی	467ھ	اپریل 1075ء
(المنتظم 459/4)		
ولادت حافظ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ	468ھ	مارچ 1076ء
(ابن خلكان 646/4)		
ولادت قاضی عیاض رحمہ اللہ	476ھ	دسمبر 1083ء
(ابن خلكان 391/3)		
بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ	492ھ	جون 1099ء
(البدايه 260/13)		
وفات علامہ محمد بن عبدالکریم الشہرستانی	548ھ	اکتوبر 1153ء
(ابن خلكان 630/4)		
وفات علامہ سہیلی رحمہ اللہ	581ھ	نومبر 1185ء
(ابن خلكان 112/3)		
شہادت شہاب الدین غوری رحمہ اللہ	604ھ	فروری 1208ء
(ابن خلدون 757/6)		
دمیاط پر فرنگیوں کا قبضہ	616ھ	نومبر 1219ء
(الكامل: 304/5)		

ولادت امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ	625ھ	جولائی 1228ء

(سیر 167/15)

وفات امام ابن الاثیر الجزری رحمہ اللہ	630ھ	جون 1233ء

(سیر 61/14)

وفات حافظ ابن النجار (صاحب التاریخ)	643ھ	دسمبر 1245ء

(سیر 174/14)

دمشق میں طوفانی بارش اور سیلاب	683ھ	نومبر 1284ء

(البدایہ 510/15)

وفات شیخ علاء الدین مغلطائی	762ھ	جون 1361ء

(البدایۃ 417/16)

ولادت حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ	773ھ	فروری 1372ء

(تہذیب التہذیب ، مقدمۃ المحقق 31/1)

وفات حافظ ابوالفداء ابن کثیر رحمہ اللہ	774ھ	فروری 1373ء

(البدایۃ ترجمۃ المؤلف: 64/1)

وفات نواب وحید الزماں حیدر آبادی	1338ھ	مئی 1920ء

(نزھۃ الخواطر 643/8)

وفات مولانا محمد علی جوہر	1349ھ	دسمبر 1930ء

(تقویم تاریخی ص 388)

امریکہ نے ہیروشیما پر ایٹم بم گرائے	1364ھ	اگست 1945ء

(بیسویں صدی کے اھم واقعات)

آزادی مراکش و تیونس	1375ھ	مارچ 1956ء

(تقویم تاریخی ص 334)

وفات مولانا ابوالکلام آزاد	1377ھ	فروری 1958ء

(بزم ارجمنداں ص 131)

قادیانیوں کو حکومت پاکستان نے باقاعدہ غیر مسلم قرار دیا	1394ھ	ستمبر 1974ء

(بیسویں صدی کے اھم واقعات ص 272)

چین میں خوفناک زلزلے سے تباہی	1396ھ	جولائی 1976ء

(واقعات عالم ص:140)

بنگالی راہنما شیخ مجیب الرحمان کا قتل	1395ھ	اگست 1975ء

(بیسویں صدی کے اھم واقعات، ص:274)

اسرائیل نے عراق کا ایٹمی ری ایکٹر تباہ کر دیا	1401ھ	جون 1981ء

(بیسویں صدی کے اھم واقعات ص 340)

امریکہ کی لیبیا پر بمباری	1406ھ	اپریل 1986ء

(ایضاً ص 368)

وفات سید محبّ اللہ شاہ الراشدی	1415ھ	جنوری 1995ء

(کاروانِ سلف ص:395)

وفات سید بدیع الدین شاہ الراشدی	1416ھ	جنوری 1996ء

(کاروان سلف ص 475)

وفات میاں فضل حق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلحدیث	1416ھ	جنوری 1996ء

(میاں فضل حق اور ان کی خدمات، ص:836)

وفات سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی	1420ھ	دسمبر 1999ء

(قافلہ حدیث، ص 509)



قادیانیوں کا دیرینہ مطالبہ پُورا ہوگیا

مگر وہ پریشان ہوگئے ... آخر کیوں؟

محمد متین خالد

گذشتہ دنوں اسپیکر قومی اسمبلی محترمہ فہمیدہ مرزا نے اپنے خصوصی اختیارات کے تحت سابق وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے متعلق پارلیمنٹ کے بند کمرے کے اجلاس میں ہونے والی بحث کے ریکارڈ کو 36 سال بعد اوپن کرنے کی منظوری دے دی ہے، جبکہ اسامہ بن لادن کی ہلاکت کے معاملے پر پارلیمنٹ کے حالیہ بند کمرے کے اجلاس میں ہونے والی بحث سیل کر دی گئی ہے۔ قومی اسمبلی سیکریٹریٹ کے ذرائع کے مطابق بھٹو دور میں 1974ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے سے متعلق پارلیمنٹ کے بند کمرے کا اجلاس تقریباً ایک ماہ سے زائد جاری رہا تھا۔ جس کے نتیجہ میں قادیانیوں کو ان کے کفریہ عقائد کی بنا پر ملک کی منتخب جمہوری حکومت نے متفقہ طور پر 7 ستمبر 1974ء کو انھیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور آئین پاکستان کی شق (2)160 اور (3)260 میں اس کا اندراج کر دیا۔ معاملے کی حساسیت کے پیش نظر بحث کا تمام ریکارڈ اسی وقت سیل کر دیا گیا تھا۔ یہ شرط رکھی گئی تھی کہ اسے تیس سال سے کم کے عرصے میں اوپن نہیں کیا جائے گا۔ اسپیکر قومی اسمبلی فہمیدہ مرزا نے اب اس وقت کی بحث کے ریکارڈ کو لائبریری میں رکھنے کی منظوری دے دی ہے۔ اسمبلی ترجمان نے بتایا کہ اس وقت بحث کا تمام ریکارڈ پرنٹنگ کے مراحل میں ہے اور جلد اسے لائبریری کا حصہ بنا دیا جائے گا۔

قادیانی 1974ء سے لے کر اب تک یہ کہتے چلے آرہے ہیں کہ اگر یہ کارروائی شائع ہو جائے تو آدھا پاکستان قادیانی ہو جائے گا۔ قومی اسمبلی کی یہ کارروائی اوپن ہونے سے قادیانیوں کا دیرینہ مطالبہ پورا ہوگیا۔ لیکن حیرت ہے کہ اس خبر سے قادیانیوں کے ہاں صفِ ماتم بچھ گئی ہے۔ کیونکہ اس وقت کے اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار مرحوم نے ایک سوال پر کہ ''قادیانیوں کا کہنا ہے کہ اگر یہ روداد شائع ہو جائے تو آدھا پاکستان قادیانی ہو جائے گا۔'' کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ کارروائی ان کے خلاف جاتی ہے۔ ویسے وہ اپنا شوق پورا کرلیں، ہمیں کیا اعتراض ہے۔ ان دنوں ساری اسمبلی کی کمیٹی بنادی تھی اور کہا گیا تھا کہ یہ ساری کارروائی سیکرٹ ہوگی تاکہ لوگ اشتعال میں نہ آئیں۔ میرے خیال میں اگر یہ کارروائی شائع ہوگئی تو لوگ قادیانیوں کو ماریں گے۔'' (انٹرویو نگار منیر احمد منیر، ایڈیٹر ''ماہنامہ آتش فشاں'' لاہور، مئی 1994ء) سابق اٹارنی جنرل اور معروف قانون دان جناب یحییٰ بختیار نے جس لگن، جانفشانی اور قانونی مہارت سے امت مسلمہ کے اس نازک اور حساس کیس کو لڑا، قادیانی شاطر سربراہوں پر طویل اور اعصاب شکن جرح کے بعد جس طرح ان سے ان کے عقائد و عزائم کے بارے میں سب کچھ اگلوایا، بلکہ اعتراف جرم کروایا، وہ انھی کا حصہ ہے جس پر وہ صد ستائش کے مستحق ہیں۔ بلاشبہ ان کی یہ خدمت سنہرے حروف سے لکھی جانے کے قابل ہے۔ لیکن اس کے برعکس قادیانیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کارروائی کے نتیجہ میں قومی اسمبلی کا کوئی ایک رکن بھی قادیانی نہیں ہوا۔ کسی رکن قومی اسمبلی نے کارروائی کا بائیکاٹ نہیں کیا۔ کسی رکن قومی اسمبلی نے اجلاس سے واک آؤٹ نہیں کیا۔ کسی رکن قومی اسمبلی نے قادیانیوں کی حمایت نہیں کی۔ اس کے برعکس نہ صرف تمام ارکان نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا بلکہ قادیانی خلیفہ مرزا ناصر کی ٹیم میں شامل ایک معروف قادیانی مرزا سلیم اختر چند ہفتوں بعد قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہوگیا، حالانکہ قادیانی خلیفہ مرزا ناصر پوری ٹیم کے ساتھ مکمل تیاری سے بڑی خوشی

سے قومی اسمبلی گیا۔ اس کے اسمبلی کے اندر داخل ہونے کا انداز بڑا فاتحانہ، تکبرانہ اور تمسخرانہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں تاویلات اور شکوک و شبہات کے ذریعے اسمبلی کو قائل کر لوں گا، مگر بری طرح ناکام رہا۔ قادیانی قیادت نے قومی اسمبلی کے تمام اراکین میں 180 صفحات پر مشتمل کتاب ''محضر نامہ'' تقسیم کی جس میں اپنے عقائد کی بھرپور ترجمانی کی۔ اس کتاب کے آخری صفحہ پر ''دعا'' کے عنوان سے لکھا ہے: ''دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے معزز ارکان اسمبلی کو ایسا نور فراست عطا فرمائے کہ وہ حق وصداقت پر مبنی ان فیصلوں تک پہنچ جائیں جو قرآن وسنت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوں۔'' سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قادیانیوں کی دعا قبول ہوئی تو وہ قومی اسمبلی کا یہ فیصلہ قبول کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر دعا قبول نہیں ہوئی تو وہ جھوٹے ہیں۔

قادیانی اعتراض کرتے ہیں کہ قومی اسمبلی کی اس کارروائی کو اِن کیمرہ، خفیہ کیوں رکھا گیا۔ یہ کارروائی اخبارات میں روزانہ کیوں شائع نہ ہوئی؟ اس سوال کا جواب قومی اسمبلی کے اس وقت کے سپیکر جناب صاحبزادہ فاروق علی خان نے اپنے ایک انٹرویو میں دیتے ہوئے کہا:

''بحث اور کارروائی کے دوران ایسی باتوں کے پیش آنے کا بھی امکان تھا کہ اگر منظر عام پر آئیں تو مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچ سکتی تھی۔ قادیانی فرقوں کے رہنماؤں کو بھی بلانا تھا۔ ان کا نقطۂ نظر بھی سننا تھا۔ ظاہر ہے وہ جو کچھ کہتے، مسلمانوں کو ہرگز اتفاق نہ ہوتا۔ لہٰذا کارروائی خفیہ ہی رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ناموس رسالت کا مسئلہ نازک اور حساس ہے۔ مسلمان جان بھی قربان کر دینا ایک انتہائی معمولی بات سمجھتا ہے، لہٰذا کسی بھی خطرناک جذباتی صورتحال سے بچنے کے لیے اس کارروائی کو خفیہ رکھنا ہی مناسب تھا۔ حضور رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ امت کو جو والہانہ محبت ہے، اس کو زبان وقلم سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ اس خفیہ بحث کا فیصلہ کھلا تھا اور اس فیصلے سے ملت اسلامیہ آج تک مطمئن ہے۔''
(قومی اسمبلی کے سابق سپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان سے اختر کاشمیری صاحب کا انٹرویو، روزنامہ ''جنگ'' جمعہ میگزین 3 تا 9 ستمبر 1982ء)

قادیانی کہتے ہیں: یہ ایک یکطرفہ فیصلہ تھا۔ یہ بات لاعلمی اور تعصب پر مبنی ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ جمہوری نظام حکومت میں کوئی بھی اہم فیصلہ ہمیشہ اکثریتی رائے کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ لیکن قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کا فیصلہ شاید دنیا کا واحد اور منفرد واقعہ ہے کہ حکومت نے یہ فیصلہ کرنے سے پہلے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر کو پارلیمنٹ میں آ کر اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کے لیے بلایا۔ جہاں اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار نے اس پر، قادیانی کفریہ عقائد کے حوالہ سے جرح کی۔ مرزا ناصر نے اپنے تمام عقائد و نظریات کا برملا اعتراف کیا بلکہ تاویلات کے ذریعے ان کا دفاع بھی کیا۔ لہٰذا ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے 13 دن کی طویل بحث وتمحیص کے بعد آئین میں ترمیم کرتے ہوئے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا لیکن قادیانیوں نے حکومت کے اس فیصلہ کو آج تک تسلیم نہیں کیا بلکہ الٹا وہ مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے ہیں اور انھیں سرکاری مسلمان ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ وہ خود کو مسلمان اور مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اور آئین میں دی گئی اپنی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے۔

قادیانی کہتے ہیں کہ اس وقت اراکین اسمبلی کی اکثریت زانی اور شرابی تھی۔ انھیں کوئی حق حاصل نہ تھا کہ وہ ایسا فیصلہ کرتے۔ قادیانیوں سے پوچھنا چاہیے کہ انھوں نے اس وقت اسمبلی کا بائیکاٹ کیوں نہ کیا؟ کیا انھیں وہاں زبردستی لے جایا گیا تھا؟ حالانکہ وہ تو وہاں گئے ہی اس لیے تھے کہ قومی اسمبلی جو بھی فیصلہ کرے گی، ہمیں قبول ہو گا۔ عجیب بات ہے کہ اگر قادیانیوں کو پارلیمنٹ غیر مسلم اقلیت قرار دے تو وہ زانی اور شرابی، اگر سپریم کورٹ انھیں کافر قرار دے تو یہ کہنا کہ یہ تو انگریزی قانون پڑھے ہوئے ہیں، انھیں شریعت کا کیا علم؟ اور اگر علمائے کرام انھیں غیر مسلم کہیں تو یہ اعتراض کہ ان کا تو کام ہی یہی ہے۔

قادیانی کہتے ہیں کہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 20 کے تحت ہر شہری کو مذہبی طور پر آزادی اظہار کا حق ہے۔ آپ کسی پر پابندی نہیں لگا سکتے۔ قادیانیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ (نعوذ باللہ) قرآن مجید میں نئے حالات کے مطابق تبدیلی کر دی گئی ہے۔ اس میں سے کئی آیات خارج کر دی گئی ہیں اور کئی آیات شامل کر دی گئی ہیں اور پھر وہ اس نئے قرآن کی تبلیغ وتشہیر بھی کرے تو کیا اس شخص پر پابندی لگنی چاہیے یا نہیں؟ اگر وہ یہ کہے

کہ مجھے آئین کے تحت آزادی اظہار کا حق ہے تو کیا اسے یہ اجازت دینی چاہیے؟ پاکستان بلکہ دنیا بھر میں ہر شخص کو کاروبار کی مکمل آزادی ہے مگر ہیروئن اور منشیات وغیرہ فروخت کرنا سختی سے منع ہے۔ کیا یہ آزادی پر پابندی ہے؟ آزادی چند حدود و قیود کے تابع ہوا کرتی ہے۔ آپ اپنا ہاتھ ہلانے میں آزاد ہیں، جب اور جس طرح چاہیں، اسے ہلا سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کے ہاتھ ہلانے سے کسی دوسرے کا چہرہ زخمی ہوتا ہے تو پھر اس کی آزادی کہاں گئی؟ لہٰذا آزادی ایک حد تک ہے۔ آزادی بے لگام یا شتر بے مہار ہو جائے تو معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود قادیانی مسلسل شعائر اسلامی استعمال کرتے ہیں۔ غیر مسلم ہونے کے باوجود اپنی عبادت گاہ کو مسجد، مرزا قادیانی کو نبی اور رسول، مرزا کی بیوی کو ام المومنین، مرزا قادیانی کے دوستوں کو صحابہ کرام، قادیان کو مکہ مکرمہ، ربوہ کو مدینہ، مرزا قادیانی کی باتوں کو احادیث مبارکہ، مرزا قادیانی پر اترنے والی نام نہاد وحی کو قرآن مجید، محمد رسول اللہ سے مرزا قادیانی مراد لیتے ہیں، چنانچہ 26 اپریل 1984ء کو حکومت نے مسلمانوں کے پُرزور مطالبہ پر ایک آرڈیننس جاری کیا جس میں قادیانیوں کو شعائر اسلامی کے استعمال سے قانوناً روکا گیا۔ اس آرڈیننس کے نتیجہ میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298/B اور 298/C کے تحت کوئی قادیانی خود کو مسلمان نہیں کہلوا سکتا، اپنے مذہب کو اسلام نہیں کہہ سکتا، اپنے مذہب کی تبلیغ و تشہیر نہیں کر سکتا، شعائر اسلامی استعمال نہیں کر سکتا۔ خلاف ورزی کی صورت میں وہ 3 سال قید اور جرمانہ کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ قادیانیوں نے اپنے خلیفہ مرزا طاہر کے حکم پر آرڈیننس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پورے ملک میں شعائر اسلامی کی توہین کی اور آرڈیننس کے خلاف ایک بھرپور مہم چلائی۔ جس کے نتیجہ میں پاکستان کے اکثر شہروں میں لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال پیدا ہوئی۔ قادیانی قیادت نے اس آرڈیننس کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا۔ عدالت نے اپنے فیصلہ میں قرار دیا کہ قادیانیوں پر پابندی بالکل درست ہے۔ اس کے بعد قادیانیوں نے چاروں صوبوں کی ہائی کورٹس میں چیلنج کیا، یہاں پر بھی عدالتوں نے دونوں طرف کے دلائل سننے کے بعد قرار دیا کہ آرڈیننس بالکل قانون کے مطابق ہے۔ قادیانیوں کو آئین میں دی گئی اپنی حیثیت تسلیم کرتے ہوئے شعائر اسلامی استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔ آخر میں قادیانیوں نے ان تمام فیصلوں کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ ہمیں آئین کے مطابق آزادی کا حق حاصل ہے، لیکن ہمیں شعائر اسلامی استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ لہٰذا عدالت تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298/B اور 298/C کو کالعدم قرار دے۔ سپریم کورٹ کے فل بنچ نے اس کیس کی مفصل سماعت کی۔ دونوں طرف سے دلائل دیے گئے۔ قادیانیوں کی اصل کتابوں سے متنازعہ ترین حوالہ جات پیش کیے گئے۔ اس کے بعد سپریم کورٹ نے اپنے تاریخی فیصلہ ظہیر الدین بنام سرکار 1993) (SCMR 1718 میں قرار دیا کہ کوئی قادیانی خود کو مسلمان نہیں کہلوا سکتا اور نہ اپنے مذہب ہی کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں وہ سزا اور جرمانے کا مستوجب ہوگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ جج صاحبان کسی دینی مدرسہ یا اسلامی دارالعلوم کے استاد نہیں تھے بلکہ انگریزی قانون پڑھے ہوئے تھے۔ ان کا کام آئین و قانون کے تحت انصاف مہیا کرنا ہوتا ہے۔ فاضل جج صاحبان کا یہ بھی کہنا تھا کہ قادیانی اسلام کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں جبکہ دھوکہ دینا کسی کا بنیادی حق نہیں ہے اور نہ اس سے کسی کے حقوق یا آزادی ہی سلب ہوتی ہے۔

سپریم کورٹ نے اپنے تاریخی فیصلہ میں لکھا:

''ہر مسلمان کے لیے جس کا ایمان پختہ ہو، لازم ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے بچوں، خاندان، والدین اور دنیا کی ہر محبوب ترین شے سے بڑھ کر پیار کرے۔'' (صحیح البخاری کتاب الایمان، باب حبّ الرسول من الایمان، حدیث: 15)

کیا ایسی صورت میں کوئی کسی مسلمان کو مورد الزام ٹھہرا سکتا ہے۔ اگر وہ ایسا دل آزار مواد جیسا کہ مرزا صاحب نے تخلیق کیا ہے سننے، پڑھنے یا دیکھنے کے بعد اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے؟

''ہمیں اس پس منظر میں قادیانیوں کے صد سالہ جشن کی تقریبات کے موقع پر قادیانیوں کے اعلانیہ رویہ کا تصور کرنا چاہیے اور اس ردعمل کے بارے میں سوچنا چاہیے، جس کا اظہار مسلمانوں کی طرف سے ہو سکتا تھا۔ اس لیے اگر کسی قادیانی کو انتظامیہ کی طرف سے یا قانوناً شعائر

اسلام کا اعلانیہ اظہار کرنے یا انھیں پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تو یہ اقدام اس کی شکل میں ایک اور ''رشدی'' (یعنی رسوائے زمانہ گستاخ رسول ملعون سلمان رشدی جس نے شیطانی آیات نامی کتاب میں حضور ﷺ کی شان میں بے حد توہین کی) تخلیق کرنے کے مترادف ہوگا۔ کیا اس صورت میں انتظامیہ اس کی جان، مال اور آزادی کے تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہے اور اگر دے سکتی ہے تو کس قیمت پر؟ ردعمل یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی قادیانی سرعام کسی پلے کارڈ، بیج یا پوسٹر پر کلمہ کی نمائش کرتا ہے یا دیوار یا نمائشی دروازوں یا جھنڈیوں پر لکھتا ہے یا دوسرے شعائر اسلامی کا استعمال کرتا یا انھیں پڑھتا ہے تو یہ اعلانیہ رسول اکرم ﷺ کے نام نامی کی بے حرمتی اور دوسرے انبیائے کرام کے اسمائے گرامی کی توہین کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کا مرتبہ اونچا کرنے کے مترادف ہے جس سے مسلمانوں کا مشتعل ہونا اور طیش میں آنا ایک فطری بات ہے اور یہ چیز نقض امن عامہ کا موجب بن سکتی ہے، جس کے نتیجہ میں قادیانیوں کے جان و مال کا نقصان ہوسکتا ہے۔'' (ظہیر الدین بنام سرکار 1993 SCMR1718ء)

سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں مزید لکھا: ''ہم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ قادیانیوں کو اپنی شخصیات، مقامات اور معمولات کے لیے نئے خطاب، القاب یا نام وضع کرنے میں کسی دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آخر کار ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں اور دیگر برادریوں نے بھی تو اپنے بزرگوں کے لیے القاب و خطاب بنا رکھے ہیں اور وہ اپنے تہوار امن و امان کا کوئی مسئلہ یا الجھن پیدا کیے بغیر پُرامن طور پر مناتے ہیں۔'' (ظہیر الدین بنام سرکار 1993 SCMR1718ء)

افسوس ہے کہ قادیانی آئین میں دی گئی اپنی حقیقت کو ماننے سے انکاری ہیں اور سپریم کورٹ کے فیصلے کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اس صورتحال میں حکومت کا فرض ہے کہ وہ قادیانیوں کو آئین اور قانون کا پابند بنائے تاکہ ملک بھر میں کہیں بھی لا اینڈ آرڈر کی صورتحال پیدا نہ ہو۔

علی حماد

دارالسلام کوئز پروگرام

Farooqh33@gmail.com

درست جوابات

① لفظ ''محمد'' قرآن پاک میں چار مرتبہ آیا ہے: آل عمران: 144، الأحزاب: 45، محمد: 2، الفتح: 29۔

② 22 جمادی الثانی 13 ہجری۔

③ گھر میں داخل ہونے کی دعا

«اَللّٰهمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا۔

گھر سے نکلنے کی دعا:

① «بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»

② «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ»

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لیے

(شاعر کا نام سید صادق حسین ایڈووکیٹ شکر گڑھی)

نوٹ: ماہِ اپریل کے شمارے میں بعنوان ''نماز میں خیالات کا آنا'' کے تحت یہ شعر اور شاعر کا نام دیے گئے ہیں اگر توجہ سے پڑھا ہوتا تو جواب غلط نہ ہوتا)

سوالات

① رات کو سوتے ہوئے اور جمعہ والے دن کن کن سورتوں کی تلاوت کی جاتی ہے؟

② رسول اللہ ﷺ رمضان کے علاوہ کس مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے تھے؟

③ مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی مکمل دعائیں لکھیں؟

④ ''خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی'' اگلا مصرع اور شاعر کا نام بتائیں؟

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① یہ خطہ زمانہ قدیم میں نجد کے نام سے مشہور تھا۔

② اے صنم تیرے نگر کا عجب اہتمام دیکھا۔

③ اگر انسان کو موت نہ آتی تو یہ زندگی عبث اور فضول ٹھہرتی۔

④ کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا قبول کروں۔

غیروں کی مدد سے کبھی ساحل نہیں ملتا

پاکستان کی سیاسی صورت حال کا منصفانہ جائزہ

حافظ رضوان عبداللہ

پاکستان اس وقت جن پر آشوب حالات سے گزر رہا ہے وہ اس کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ پاکستان کا اس وقت سب سے بڑا مسئلہ بے روزگاری، بھوک اور مہنگائی نہیں بلکہ قومی حمیت اور وقار ہے۔ ہم نے اپنے خواب، اپنی اچھی استعداد، اچھی امیدیں، عزم و یقین، قومی غیرت و حمیت، باہمی اعتماد، خوش آئند مستقبل اور آنے والی نسلوں کے لیے صحت افزا اور آبرو مندانہ زندگی کے اِمکانات سمیت سب کچھ کھو دیا ہے۔ قوموں کے لیے بھوک برداشت کرنا اور فاقے کاٹنا بڑا مسئلہ نہیں ہوتا کیونکہ ہم نے تاریخِ اقوام میں بہت سی ایسی اقوام کا مشاہدہ کیا ہے جو بھوکے، ننگے اور تباہ حال ہونے کے باوجود اس صفحۂ ہستی پر خوشحال اور روشن تہذیب و تمدن کے آثار لے کر ابھریں۔ اصل معاملہ تو عزت وقار کا ہے جو ایک بار روٹھ جائے تو صدیوں واپس آنے کی امید نہیں رہتی اور جس کی عدم موجودگی اس قوم کی زندہ موجودگی پر بہت بڑا سوالیہ نشان ہوتا ہے۔ ہمیں بحیثیت مجموعی جذبات سے ماورا ہو کر سوچ بچار اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جن سے ہم آبرو مندی اور عزت و وقار کے طلبگار ہیں کیا وہ خود اس مقامِ بلند کے لائق ہیں کہ کسی کو عزت سے نواز سکیں۔ وہ لوگ تو خود ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں کے باسی ہیں، پھر ہم کشکول اٹھائے کیوں ان کے در کے بھکاری بنے ہوئے ہیں۔ ہمیں من حیث القوم اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ہماری موجودہ ذلت و پستی کی وجہ ہماری ماضی کی وہ سنگین غلطیاں ہیں جنھیں ہم نے راست اقدام کے طور پر بار ہا دہرایا۔ ہر وہ غلطی سبق آموز ہوتی ہے جس پر اصرار نہ کیا جائے اور اصلاح احوال کی جدوجہد کی جائے۔ ہر غلطی قابل اصلاح ہے اور ہر اصلاح کا نتیجہ ترقی اور کامیابی ہے۔ یہ دونوں پہلو ایک بندھن میں اس طرح بندھے ہوئے ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرے کی بقا کا کوئی امکان نہیں۔

ہم نے اپنی تباہی اور ذلت کا بیج تو اسی دن بو دیا تھا جب ہم نے دنیا کے بدترین لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ ہم نے انتخاب بھی کیا تو ایسی قوم کا جس میں سرے سے کسی کی خیر خواہی کا عنصر ہی موجود نہیں۔ ہم نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا فرنٹ لائن اتحادی بن کر نام نہاد دہشتگردی کی آگ میں خود کو جھونک دیا۔ سیاسی اور عسکری اشتراک نے اپنی نکیل ان کے ہاتھ میں تھما دی۔ انھوں نے ان کو جہاں تنکا لگایا یہ وہیں جا گرے۔ جو قوم کی تقدیر کے دھارے بدلنے والے تھے، وہ آج اپنی قسمت کی پڑیا کسی اور سے کھلوا رہے ہیں۔ جن کی بے نیازیوں سے بڑے بڑے تخت ہل جاتے تھے اور فرماں روا لرز جایا کرتے تھے وہ آج نذر و





نیاز کے لیے دوسروں کے کاسہ لیس بنے ہوئے ہیں۔ آخر ہمیں سامراج کا فرنٹ لائن اتحادی بننے کے بدلے میں کیا ملا؟ دنیا میں امن وسلامتی کا چیمپین ایک طرف تو ہمیں امداد کے چیکے دے رہا ہے اور دوسری طرف ہماری ہی ارض پاک پر ہمارے بے گناہ بھائیوں کے خون سے ہولی کھیل رہا ہے ؎

اے صنم ترے نگر کا عجب اہتمام دیکھا
کہیں پھول جھڑتے دیکھے کہیں قتل عام دیکھا

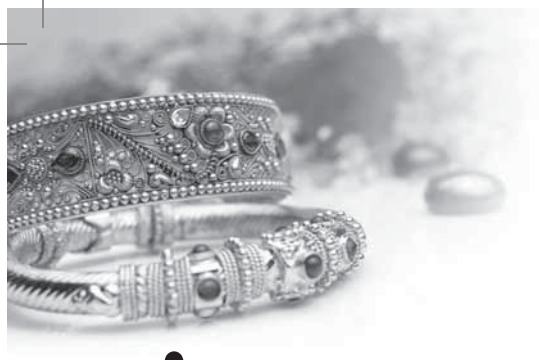
ہماری قیادتوں نے اپنی آنکھوں پر تجاہل عارفانہ کی ایسی پٹی باندھ رکھی ہے کہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود کچھ نہیں دیکھتے۔ ہمیں امریکی امداد اور ڈالر تو دکھائی دیتے ہیں لیکن بدلے میں پھیلی تباہی اور قتل و غارت گری ہمیں نظر نہیں آتی۔ اب تک وصول ہونے والی امریکی امداد 28 بلین ڈالر ہے جب کہ امریکی جنگ اور ان کی پالیسیوں پر عمل درآمد کے نتیجے میں ہم نے جو خسارہ اٹھایا ہے وہ محتاط اندازے کے مطابق 68 بلین ڈالر ہے۔ امریکی امداد تو ہمارے نقصان سے آدھی بھی نہیں لیکن پھر بھی ہم اسی امداد کے نام پر امریکہ کے سامنے ڈھیر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمارے 34000 شہری اور 3000 کے لگ بھگ ہماری آرمی کے جوان اس جنگ کی نذر ہو چکے ہیں جن کے خون کی قیمت دنیا بھر کے مجموعی خزانے بھی نہیں دے سکتے۔

یہ خونی داستان صرف 34000 افراد تک محدود نہیں بلکہ اس کی لپیٹ میں وہ 34000 خاندان بھی آئے ہیں جن کے یہ چشم و چراغ تھے اور سب سے بڑھ کر پوری قوم اس درد کی ٹیسوں سے بلبلا رہی ہے لیکن کوئی اس کے غم کا ساجھی اور اس کے زخموں پر مرہم رکھنے والا نہیں ہے۔ ابھی یہ زخم بھرا نہیں تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے ڈرون حملوں کی مسلسل آمد سے تازہ ہی تھا کہ ایبٹ آباد میں ایک اور ڈھونگ رچایا گیا۔ یوں پاکستان کے عسکری اور دفاعی نظام کا پوری دنیا میں اس طرح مذاق اڑایا گیا کہ پوری قوم کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔

یہ طرفہ تماشا ہے کہ ایک طرف ہم نے اس آپریشن پر خاموشی اختیار کر کے قومی حمیت اور غیرت کا جنازہ نکالا اور دوسری طرف ہمیں کو مزید کارروائیوں کے لیے خبردار کیا جا رہا ہے۔ ہماری عسکری قوت اور دفاعی مضبوطی کی تو دنیا کے سامنے قلعی کھول دی گئی۔ اب حد تو یہ ہے کہ بھارت بھی پاکستان کو میلی نظروں سے دیکھ رہا ہے اور حملے کے لیے پر تول رہا ہے۔ ان بگڑتے ہوئے حالات کا اذیت ناک پہلو یہ ہے کہ آپریشن کے دوسرے ہی دن ہمارے وزیر اعظم دورہ فرانس پر روانہ ہو گئے۔ بالکل اسی طرح جس طرح تباہ کن سیلاب میں صدر صاحب برطانیہ چلے گئے تھے۔ پوری قوم مصائب اور پریشانیوں میں پھنسی ہوئی ہے اور ہمارے اعلیٰ حکام بیرونی دوروں میں مشغول ہیں۔ دوسری طرف صورتِ حال یہ ہے کہ اسامہ آپریشن کے بعد اوبامہ نے اپنا مجوزہ دورۂ پاکستان منسوخ کر دیا ہے اور امریکہ اور اس کے اتحادی پاکستان کو عالمی برادری میں دہشت گرد ملک اور دہشت گردوں کی محفوظ جائے پناہ ثابت کر کے اقوام متحدہ سے اس کی رکنیت کا پتہ کاٹ دینے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور پھر اس ملک میں اپنے قدم جمانے اور اپنے سامراجی عزائم کی تکمیل کے لیے راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ ببانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ وہ پاکستان سے پوچھے بغیر اس میں مزید کارروائیاں کرنے کا بھی حق رکھتے ہیں۔

پاکستان کے لیے یہ یقیناً کڑا وقت ہے۔ آگے گڑھا ہے اور پیچھے کھائی۔ ان حالات میں پاکستانی حکام اور عسکری قیادتوں کو درست فیصلہ کرنا ہے، خود اعتمادی اور خود انحصاری کے بل پر قوم کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو پار لگانا ہے۔ پاکستان کو امریکی امداد کے جال سے نکل کر اپنے وسائل پر بھروسہ کرنا ہوگا اور آزمائے ہوئے مخلص دوست چین کے ساتھ اپنے تعلقات مضبوط تر بنانے ہوں گے۔ کیونکہ چین ہی وہ واحد ملک ہے جس نے پاکستان کی آزادی اور خود مختاری کو پامال کرنے والی سپر پاور کے خلاف سب سے پہلے آواز اٹھائی۔ یہ وقت درست فیصلہ کرنے کا ہے اور یہ حالات درست قدم اٹھانے کے متقاضی ہیں۔ ہماری عزت و غیرت کو پناہ صرف خود انحصاری کی چھتری تلے مل سکتی ہے، اس لیے ہمیں آزاد اور خود مختار قوم ہونے کا ثبوت دینا ہو گا اور اپنی بقا، اپنے مستقبل کی بقا اور آنے والی نسلوں کی آبرو مندانہ زندگی کے لیے اپنے وسائل پر اعتماد کر کے جینا ہوگا۔ ورنہ اب کی بار غلطی سنگین ثابت ہو سکتی ہے جس کا خمیازہ حرف غلط کی صورت میں بھگتنا پڑے گا جو بالآخر مٹا دیا جاتا ہے ؎

دریا میں ہو طوفان تو بچ جاتی ہے کشتی!
کشتی میں تلاطم ہو تو ساحل نہیں ملتا







آپ کا کچن

اُم علی

ادرک اور گنے کا رس

تیاری کے لیے درکار وقت: 10 منٹ

اجزاء: (چار گلاس بنانے کے لیے) ❁ گنے کا رس: چھ کپ ❁ ادرک کا رس: ایک کھانے کا چمچ ❁ چینی: چھ یا آٹھ کھانے کے چمچ ❁ لیموں کا رس: ایک چائے کا چمچ۔

ترکیب: ① تمام اجزاء کو کسی پیالے میں اکٹھا کریں اور خوب مکس کریں یہاں تک کہ چینی اچھی طرح حل ہو جائے۔ ② فریزر پروف برتن میں ڈال کر اسے فریزر میں رکھیں، یہاں تک کہ سیٹ ہو جائے۔ (اس میں چار یا چھ گھنٹے لگیں گے۔) ③ اسے بلینڈر میں ڈال کر Slush کی صورت میں بلینڈ کر لیں۔ ④ اس محلول کو چار گلاسوں میں ڈالیں اور فوراً پیش کر دیں۔

نوٹ: ① ادرک کا رس نکالنے کے لیے اسے کش کر لیں۔ ② گنے کے رس کو فوراً استعمال کر لیں ورنہ اس کی رنگت خراب اور ذائقہ کڑوا ہو جاتا ہے۔

قیمہ ملائی پلاؤ

اجزاء: ❁ باسمتی چاول: 2 کپ ❁ قیمہ: آدھا کلو ❁ نمک: 2 چائے کے چمچ ❁ پیاز: 3 عدد (درمیانہ سائز کے) ❁ لہسن، ادرک: 2 چائے کے چمچ (پسا ہوا) ❁ سبز الائچیاں: 6 عدد ❁ دار چینی: 4 ٹکڑے ❁ زیرہ: ایک چائے کا چمچ ❁ سرخ مرچیں: 6 عدد ❁ ٹماٹر پیسٹ: 2 کھانے کے چمچ ❁ لیموں کا رس: 2 چائے کے چمچ ❁ زعفران: آدھا چائے کا چمچ ❁ ملائی: آدھا کپ ❁ دہی: 1/4 کپ ❁ زردے کا رنگ: 2 چائے کے چمچ ❁ انڈے: 4 عدد (سخت ابلے ہوئے) ❁ کوکنگ آئل: 2 پکانے کے چمچ ❁ مکھن: 3 چائے کے چمچ

ترکیب:

چاولوں کو دھو کر بھگو دیں اور آدھے گھنٹے بعد نمک ملے پانی میں اُبال لیں۔ اتنا اُبالیں کہ ایک کنی رہ جائے۔ ان اُبلے ہوئے چاولوں کو چھاننے میں نکال لیں تا کہ تمام پانی نچڑ جائے۔ انڈوں کو اُبال کر چھیل اور لمبائی کے رخ سلائس کاٹ لیں۔ تمام مسالے پیس کر پیسٹ بنا لیں۔ بھاری پیندے کی دیگچی میں ایک پکانے کا چمچ کوکنگ آئل گرم کریں اور کٹا ہوا پیاز تل کر سرخ کر لیں۔ اب اس میں لہسن، ادرک کی پیسٹ اور تمام پسا ہوا مسالہ ڈال کر تلیں۔ ساتھ ہی ٹماٹر پیسٹ اور قیمہ نمک ڈال کر تھوڑا سا گرم پانی ڈال دیں تا کہ قیمہ پک جائے۔ جونہی قیمے کا پانی خشک ہو اسے بھون لیں۔ اب اُبلے ہوئے چاولوں کو دو حصوں میں بانٹ لیں لیکن پہلے تمام اُبلے ہوئے چاولوں میں ملائی پھینٹ کر شامل کر لیں۔ ایک حصہ ملائی ملے چاول سفید ہی رہنے دیں اور ایک حصہ چاولوں میں زردے کا رنگ اور لیمن جوس میں بھیگا ہوا زعفران ملا کر رنگین کر لیں۔

اب ایک اور بھاری پیندے کی دیگچی لے کر اس میں ایک پکانے کا چمچ کوکنگ آئل گرم کر کے پیندے کی سطح پر پھیلا دیں اور سب سے پہلے سفید چاول پھیلا کر بھنا ہوا قیمہ پھیلا دیں۔ قیمہ کی تہہ پر دہی، تلے ہوئے پیاز اور انڈوں کے سلائس پھیلا کر آخر میں رنگین چاولوں کی تہہ لگا دیں اور بچھلا ہوا مکھن اوپر ڈال کر گیلا کپڑا ڈھکن پہ لپیٹ کر دیگچی کو توے پر رکھیں اور آنچ بہت ہلکی کر دیں۔ دیگچی کے ڈھکن پہ وزن بھی ضرور رکھ دیں۔ آدھے گھنٹے تک چاولوں کو دم پہ رہنے دیں۔

نوٹ: چاولوں کو میز پہ پیش کریں تو مزید انڈے اُبال کر چاولوں کو سجا لیں۔ چاول پلٹنے کے لیے ایسی ڈش استعمال کریں جسے ڈھک کر ہلکی آنچ پہ رکھا جا سکے کیونکہ قیمہ ملائی پلاؤ تیز گرم کھانے میں ہی مزیدار لگتی ہے۔



قدسیہ کی ڈائری

قدسیہ عنبریں

2 جون 2011ء

آج والدہ کا پاسپورٹ بن کر آ گیا ہے۔ وہ بہت خوش ہیں۔ وہ اس سال میرے چھوٹے بھائی کے ساتھ حج پر جانے کا پروگرام بنا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کا سفر بخیر و عافیت تمام ہو اور وہ ذات باری ہمیں بھی زیارت بیت اللہ نصیب فرمائے۔

3 جون 2011ء

کئی باتیں بہت معمولی ہوتی ہیں لیکن آدمی سوچتا ہے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ انسانیت ابھی مری نہیں اور نئی نسل سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ پچھلے ہفتہ کے روز ہم لاہور سے فیصل آباد جا رہے تھے، اچانک گاڑی کا انجن بہت گرم ہو گیا۔ سائیڈ پر گاڑی روکی۔ تین چار نوجوان ایک دوسری کار میں پاس سے گزرے۔ انھوں نے ہماری گاڑی کی طرف دیکھا تو انھوں نے ذرا آگے جا کر گاڑی سائیڈ پر کھڑی کی۔ ایک لڑکا ہمارے پاس آیا اور پوچھنے لگا: کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو بتائیں۔ میرے بھائی نے کہا کہ آپ نے جو ہمارا احساس کیا ہے اس کا بہت بہت شکریہ۔ کوئی خاص پرابلم نہیں ہے۔ ابھی یہ ٹھیک ہو جائے گی۔

4 جون 2011ء

کل کے اخبار میں مسرت جبیں کا بہت دلچسپ مضمون چھپا ہے۔ لکھتی ہیں: پرانے زمانے میں ایک مشترکہ خاندانی نظام ہوتا تھا، جس کا تصور آج کے زمانے میں پروان چڑھنے والی نسل قطعی نہیں کر سکتی، یوں سمجھیے کہ ایک پوری کی پوری سلطنت ایک گھر میں آباد ہوتی تھی۔

اس مشترکہ خاندانی نظام کے کچھ بہت ہی مثبت پہلو بھی تھے، یعنی بغیر کسی کڈز کلب اور ڈے کیئر سینٹر میں گئے، بچوں کی تربیت اور تفریح بہت اچھی ہو جاتی تھی۔ اب جو مائیں اسکول کی عمر سے پہلے اور اسکول بھیجنے کے بعد بھی بچوں کو ذہنی اور جسمانی طور پر مصروف رکھنے کے لیے ماری ماری پھرتی ہیں، اس مشقت اور اضافی خرچ سے بچ جاتی تھیں۔

یہ بہت دلچسپ بات لکھی ہے کہ پرانے خاندانی نظام میں بہو یا بھاوج کے اچھے کاموں کو تو بس رواداری میں ذکر کیا جاتا تھا لیکن اس کی ذرا سی کوتاہی کو خوب نمک مرچ لگا کر پیش کیا جاتا تھا تا کہ بیچارہ بیٹا یا بھائی سکھ چین کی نیند نہ سو سکیں۔

5 جون 2011ء

آج بچوں کے سکول گرمی کی چھٹیوں کی فیس جمع کرانے گئی تھی۔ ایک محترمہ ہیڈ مسٹریس سے پوچھ رہی تھیں کہ کیا چھٹیوں میں سکول بند رہے گا یا پچھلے سال کی طرح سمر کیمپ لگانے کا پروگرام ہے۔ ہیڈ مسٹریس نے بتایا: ہم گرما کی تعطیلات شروع ہوتے ہی سمر کیمپ کی کلاسوں کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس کے لیے فیس نارمل سے ذرا زیادہ دینا پڑے گی۔ گھر واپس آتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ تعلیم بھی پیشہ بن گئی ہے۔

میرے چچا بتاتے تھے کہ ہم جب آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے تو موسم گرما کی چھٹیوں میں بغیر کسی فیس کے ہمارے استاد ہمیں پڑھایا کرتے تھے۔ نتیجتاً میں نے اور میرے کئی ساتھیوں نے وظیفے حاصل کیے۔

6 جون 2011ء

ہمارا ایک کزن آج کل انگلینڈ سے پاکستان آیا ہوا ہے۔ آج صبح میرے بھائی کے ساتھ فروٹ منڈی چلا گیا۔ واپس آ کر کہنے لگا: ''آج میں نے زندگی میں پہلی بار اکٹھے ایک جگہ اتنے زیادہ پھل دیکھے ہیں۔ تربوزوں، خربوزوں کے ڈھیر، طرح طرح کے آموں کے انبار، خوبانیوں کی پیٹیاں، خوبصورت آلو بخارے، کیلوں کے گچھے، پاکستان ہے یا کوئی جنت کا ٹکڑا ہے۔ سمجھ نہیں آتا کون ہیں وہ جو اس جنت کو جہنم بنا رہے ہیں۔''



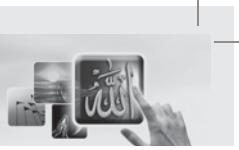
اللہ وارث

ڈاکٹر طارق ریاض، لاہور

گھنے جنگل میں جا کر درختوں سے لکڑی حاصل کر کے شہر میں جا کر فروخت کرنا حنیف کا خاندانی کام تھا۔ بچپن سے وہ یہی کام کر رہا تھا۔ اپنی باقاعدگی، وقت کی پابندی اور امانت و دیانتداری اور راست بازی کی بنا پر اس کا سودا ہاتھوں ہاتھ بک جاتا تھا۔ دھوکہ دہی اور جھوٹ بول کر مال فروخت کرنے کو وہ سخت ناپسند کرتا۔ یہ سب باتیں اس نے پیارے نبی ﷺ کی سیرت سے سیکھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کے احکامات پر کاربند رہ کر اس نے زندگی میں سکھ ہی سکھ پائے تھے۔ اسلام کی روشنی لے کر وہ پیدا ہوا تھا۔ کسی اللہ والے کے ہاتھ پر اس کے دادا نے اسلام قبول کیا تھا۔ جب سے اس خاندان نے اپنی زندگیوں کو سیرت کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ ابتدا میں مخالفت ہوئی تھی مگر کردار کی بلندی اور اعلیٰ اوصاف کی بدولت دیگر افراد جلد ہی اس غریب مگر دین دار گھرانے سے متاثر ہونے لگے تھے۔

آج موسم خوشگوار تھا۔ صبح سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے لپک رہے تھے۔ حنیف نے اپنی جمع پونجی سے اب تین چار خچر خرید لیے تھے جن پر وہ لکڑیوں کو بآسانی لاد کر شہر لے جاتا تھا۔ اس نے دو تیز دھار کلہاڑے ساتھ لیے اور اپنے خچروں کے ہمراہ جنگل کی راہ لی۔ اس نے جانوروں کو گھاس کھانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا اور خود سوکھی لکڑیاں کاٹنے میں مصروف ہو گیا۔ اللہ کے بابرکت نام سے شروع ہونے والا ہر کام جلدی جلدی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کا ہاتھ تیزی سے لکڑیاں جمع کر رہا تھا۔ خاصی دیر گزرنے کے بعد اس نے کچھ دیر ستانے کا ارادہ کیا۔ نزدیکی چشمے سے ہاتھ منہ دھو کر کچھ کھانے پینے بیٹھ گیا۔ اس کی بیوی نے روانگی کے وقت تین چار آلو والے پراٹھے اور کچھ اچار ساتھ باندھ دیا تھا۔ مسلسل محنت کی وجہ سے بھوک لگی ہوئی تھی۔ بھوک میں اللہ پاک کی عطا کردہ حلال روزی کا اپنا ہی مزہ ہے۔ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا اور تھوڑی دیر میں وہ سیر ہو گیا۔ کچھ لقمے جو باقی بچے ان کے ٹکڑے کر کے ایک طرف ڈال دیے تاکہ پرندے وغیرہ کھا سکیں۔ اب وہ اٹھا اور جمع شدہ لکڑیاں خچروں پر لادنے لگا۔ آج اچھا خاصا مال جمع ہو گیا تھا۔ اسی لیے تمام جانوروں پر اس کا وزن برابر رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یک دم اس نے محسوس کیا کہ ایک خچر کم ہے۔ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی لیکن کامیابی نہ ملی۔ اس نے اللہ کا نام لے کر اندازے سے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دور چل کر اسے خچر کے پاؤں کے نشانات دکھائی دیے۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ گم شدہ خچر اسی سمت آیا ہے۔ وہ تیزی سے قدم آگے بڑھانے لگا۔ تنگ راستے پر کانٹے دار جھاڑیاں بھی موجود تھیں۔ یہ نوکیلے اور تیز کانٹے درحقیقت تنے (Stem) کی تبدیل شدہ (Modified) شکل ہوتی ہے جو پودوں کو جانوروں سے بچانے کے ساتھ ساتھ پودے کی سطح سے پانی کے اخراج کو بھی کم کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ خیر خاصی دور نکل آنے کے باوجود جب کوئی سراغ نہ ملا تو اس جانور کو اللہ کے سپرد کر کے واپسی کا ارادہ کیا مبادا دیگر خچر ادھر ادھر نہ چلے جائیں۔

خچر کی گم شدگی ایک بڑا سانحہ تھا۔ غریب آدمی کی کل کائنات یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہوتی ہیں۔ یہ تو مسلمان ہونے کا ثمر تھا کہ وہ صبر و شکر اور اللہ پاک کی ذات پر توکل کر کے بیٹھ گیا۔ آخر انسان



تھا۔ حنیف نے دو دن جنگل کا رخ نہ کیا۔ آخر بیوی نے سمجھایا اور اللہ کی رضا سمجھ کر اسے کاروبار جاری رکھنے پر آمادہ کرلیا۔ اگلے روز وہ پھر روزی کی تلاش میں جنگل میں جا پہنچا۔ اپنے روز مرہ کے معمولات سے فراغت کے بعد لکڑیاں رکھنے کی باری آئی تو ایک خچر کو کم پایا۔ اب تو اس کے پاؤں تلے زمین نکل گئی۔ ابھی پہلا غم کم نہ ہوا تھا کہ وہ ایک اور صدمے سے دوچار ہوگیا۔ بہتیرا تلاش کیا مگر نتیجہ صفر! ٹوٹے دل سے بچے کھچے خچروں پر لکڑی لاد کر شہر آ گیا۔ دو دن پھر غم کھاتے گزرے، آخر کب تک گھر بیٹھتا پھر چلا گیا۔ اس دن بھی ایک خچر اور گم ہوگیا۔

تین چار دن غریب دھندے پر نہ جائے تو چولہا بجھ جاتا ہے۔ یہی کچھ حنیف کے ساتھ ہوا۔ کب تک گھر بیٹھ کر کھاتے۔ بھوک نے رقص شروع کردیا۔ لیکن وہ اب جنگل میں جا کر لکڑی لانے کا کاروبار چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ بددل ہو کر اس نے شہر میں مزدوری کرنے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن ایک مرتبہ پھر اس کی غم خوار بیوی سامنے آ گئی۔ تو تکرار اور بحث ومباحثے کے بعد طے پایا کہ وہ لکڑی لینے کی بجائے اپنے گم شدہ خچروں کو تلاش کرے گا اور پھر اپنا کاروبار ہی جاری رکھے گا۔ چنانچہ وہ اپنے خچر پر بیٹھا اور گھر والوں کو خدا حافظ کہہ کر اپنے مشن پر روانہ ہوگیا۔

وہ حسب معمول جنگل میں پہنچا تو اس نے وہاں کچھ تبدیلیاں محسوس کیں۔ کاٹی گئی جھاڑیاں، انسانی قدموں کے نشانات اور گھوڑوں کے ٹاپوں سے اکھڑی مٹی اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ یہاں کوئی ہے جو اس کے علاوہ بھی آیا ہے۔ اس نے اپنے اکلوتے خچر کو رسی سے باندھ دیا اور گھاس پھونس اکٹھا کر کے ڈال دیا تاکہ وہ بھی اپنے پیٹ کا جہنم بھر سکے۔ اس نے کلہاڑی سے ایک وار کیا تھا کہ چٹاخ کی آواز سے ایک سوکھی لکڑی کا ٹکڑا زمین پر آ گرا۔ وہ اسے اٹھانے کو جھکا ہی تھا کہ کسی نے تیز دھار تلوار اس کی گردن پر رکھ دی۔ اب جو سر اٹھا کر دیکھا تو ہر طرف سے سرکاری وردیوں میں ملبوس فوجیوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ وہ سب ہتھیاروں سے لیس تھے۔ یہ غریب لکڑہارا کیا مزاحمت کرتا گرفتار ہوا اور اسے شاہی محل میں پہنچا دیا گیا۔

''اچھا تو تم مجرم ہو! تم نے ہماری سلطنت کی حدود میں داخل ہوکر ہماری بادشاہت کو للکارا ہے۔'' بادشاہ آگ بگولہ ہوکر بولا۔

''عالی جاہ! میں غریب لکڑہارا ہوں۔ تین پشتوں سے ہمارا یہی کاروبار ہے۔ میں نے آپ کی شان اور آپ کی سلطنت کی سرحدی خلاف ورزی نہیں کی۔'' وہ بلبلایا: ''تم جھوٹے ہو! ہمارے فوجیوں نے ایک ایک کر کے تمھارے خچر اپنے قبضے میں کرلیے۔ تمھاری گرفتاری کے لیے چھاپے مارے۔ تم روپوش ہوگئے۔ تمھیں اب ہمارے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ تمھاری زندگی اور موت کے وارث ہم ہیں۔'' بادشاہ نے تکبر آمیز انداز میں کہا۔ وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ اس کے سامنے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا ماننے والا کھڑا تھا۔'' بادشاہ وقت: ''وارث تو میرا ایک ہے اور وہ ہے اللہ وارث! وہی سب کچھ کرتا ہے۔''

لکڑہارے کی غیرت ایمانی نے جابر سلطان کے سامنے حق بات کہنے کا حوصلہ دے دیا تھا۔ بادشاہ قدرے دھیمے انداز میں مخاطب ہوا: ''جی نہیں! انسان بھی سب کچھ کرسکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ اسے طاقت دے دے۔ وگرنہ یہ سب کام صرف اور صرف اللہ پاک کرسکتا ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ آپ نے درست کہا انسان یہ سب کچھ نہیں کرسکتا پھر میں ایک انسان سے کیوں خوفزدہ ہوں۔ میں کیوں نہ اس ذات سے خوف کھاؤں جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اس کی حق وسچ کی باتوں نے محل میں سکوت طاری کردیا۔ موقع غنیمت تھا اس نے لب کشائی کی: ''عالی جاہ! میں اللہ تعالیٰ کا ماننے والا ہوں۔ قرآن کا قاری ہوں اور اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کا غلام ہوں۔ نبی ﷺ کے غلام صرف اللہ کی بادشاہی کو تسلیم کرتے ہیں۔ مجھ جیسے عام انسان میں بادشاہ وقت کے سامنے حق گوئی کی یہ طاقت مجھے میرے ایمان نے دی ہے۔ آپ میرے ٹکڑے ٹکڑے کرواسکتے ہیں لیکن میرے قلب میں سے اسلام کی روشنی کو نہیں نکال سکتے۔ آپ مجھے معاف کردیں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ جنگل ہمارے ملک کی حدود سے باہر ہے وگرنہ میں کبھی یہ بددیانتی نہ کرتا۔ لکڑہارے کی ایمان افروز تقریر نے بادشاہ کے ضمیر کو جھنجوڑ ڈالا۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ لکڑہارا جس کو اپنا وارث سمجھتا ہے۔ یقیناً وہی حقیقی بادشاہ ہے۔ ورنہ عام انسان تو دنیاوی بادشاہ کی ہیبت سے پانی پانی ہوجاتا ہے۔ لکڑہارے کو خچر واپس مل گئے اور پڑوسی ملک کے لوگوں کو ایمان کی روشنی مل گئی۔





بچوں کا اخبار



کاشف بہزاد

چاند سے بجلی

آج دنیا کا تمام نظام بجلی سے چل رہا ہے۔ انسان پانی، ہوا، سورج اور ایٹمی قوت وغیرہ سے بجلی حاصل کر رہا ہے۔ جاپانی سائنس دانوں نے شمسی توانائی زمین پر پہنچانے کے لیے ایک نیا آئیڈیا پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ چاند پر کئی میل وسیع ایک پینل لگایا جائے گا جو سورج کی دھوپ کو زمین پر ایک مقررہ مقام پر منتقل کرے گا جہاں اس کے ذریعے ایک خاص طریقے سے بجلی پیدا کی جائے گی۔ ابھی تو یہ صرف ایک تصوراتی بات ہے معلوم نہیں حقیقت کا روپ دھار سکے گی یا نہیں۔

کتوں کے ذریعے کینسر کی تشخیص

فرانس میں جاسوسی اور دیگر سراغ رسانی کے لیے استعمال کیے جانے والے بیلجیئم شیفرڈ نامی کتے اب کینسر کی تشخیص کے لیے استعمال کیے جانے لگے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ کتے سونگھنے کی دو لاکھ گنا زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ تجربے کے طور پر ایک کتے کے سامنے یورین کے 66 نمونے رکھے گئے جنھیں سونگھنے کے بعد کتے نے 63 میں کینسر کے اثرات پائے جانے کی تصدیق کر دی۔ طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ کینسر کے مریضوں میں تشخیص کے لیے یہ طریقہ نہایت اہم ثابت ہوسکتا ہے۔

موبائل فون

اگر ترقی نام ہے موبائل فون استعمال کرنے کا تو پاکستان واقعی ایک ترقی یافتہ ملک ہے۔ بچہ بوڑھا، امیر غریب، شہری دیہاتی غرض ہر شخص نے موبائل کان کے ساتھ لگایا ہوا ہے۔ رواں مالی سال کے پہلے دس ماہ (یعنی جولائی 2010ء سے اپریل 2011ء) کے دوران موبائل فون کی درآمدات میں 75 فی صد اضافہ ہوا ہے۔ دس ماہ میں 43,62,82,000 ڈالر کے موبائل فون درآمد کیے گئے ہیں۔

سانپوں کا چور

عجیب عجیب چور ہوتے ہیں۔ ایک کویتی باشندہ انڈونیشیا سے چالیس بڑے سانپ اور ایک قیمتی اژدھا سمگل کر کے کویت لے جا رہا تھا۔ ائیر پورٹ پر کسٹم حکام نے اسے پکڑ لیا۔

نمازوں کے اوقات والی گھڑی

ایک برطانوی گھڑی ساز ادارے نے نمازوں کے اوقات کار بتانے والی دنیا کی مہنگی ترین گھڑی تیار کر لی۔ یہ گھڑی مختلف شہروں میں پانچ وقت کی نماز کے اوقات بتا سکتی ہے۔

فیملی سسٹم تباہ ہو گیا

طارق جاوید عارفی

چند سال پہلے سوویت یونین کے آخری صدر ''میخائل گورباچوف'' نے ایک کتاب ''پروسٹرائیکا'' لکھی ہے۔ آج یہ کتاب ساری دنیا میں مشہور ہے اور شائع شدہ شکل میں موجود ہے۔ اس کتاب میں گورباچوف نے ''عورتوں کے بارے میں'' ایک باب قائم کیا ہے۔ اس میں اس نے صاف اور واضح لفظوں میں لکھا ہے: ''ہماری مغرب کی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر نکالا گیا اور اس کو گھر سے باہر نکالنے کے نتیجے میں بے شک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کیے اور پیداوار میں کچھ اضافہ ہوا۔ اس لیے کہ مرد بھی کام کر رہے ہیں اور عورت بھی کام کر رہی ہے۔ لیکن پیداوار کے زیادہ ہونے کے باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہوگیا۔ اور فیملی سسٹم کے تباہ ہونے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصانات اٹھانا پڑے ہیں وہ نقصانات ان فوائد سے زیادہ ہیں جو پروڈکشن کے اضافے کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوئے۔

لہٰذا میں اپنے ملک میں ''پروسٹرائیکا'' کے نام سے ایک تحریک شروع کر رہا ہوں۔ اس میں میرا ایک بہت بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ عورت جو گھر سے نکل چکی ہے، اس کو گھر میں واپس کیسے لایا جائے؟ اس کے طریقے سوچنے پڑیں گے۔ ورنہ جس طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو چکا ہے اسی طرح ہماری قوم تباہ ہو جائے گی۔''

یہ الفاظ میخائل گورباچوف نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔ یہ کتاب آج بھی بازار میں دستیاب ہے۔ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

ندامت کے آنسو

ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر



شدید گرمی کا موسم تھا اور لُو چل رہی تھی۔ نواز کی گاڑی کا اے سی خراب ہو چکا تھا، اس لیے وہ جلد از جلد کسی مکینک کے پاس پہنچنا چاہتا تھا کہ اچانک گاڑی کا توازن گڑبڑ ہونے لگا۔ نواز نے گاڑی روک کر دیکھا تو پچھلا ٹائر پنکچر ہو چکا تھا۔

شدید دھوپ اور لُو میں گاڑی کا اے سی پہلے ہی خراب تھا۔ ٹائر پنکچر نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ ابھی نواز یہ سوچ رہا تھا کہ اس صورتِ حال میں کیا کرے اور کیا نہ کرے کہ ایک چمچماتی کار اس کے قریب آ کر رُک گئی۔

''کیا بات ہے۔ گاڑی کو کیا ہوا ہے؟''

چمچماتی کار کے ڈرائیور نے نواز سے پوچھا۔

''گاڑی کا اے سی پہلے ہی خراب تھا اوپر سے ٹائر بھی پنکچر ہو گیا ہے۔'' نواز نے مایوسی بھرے لہجے میں بتایا۔

چمچماتی کار کے مالک نے کار کے ہلکے کالے شیشوں میں سے باہر کی جانب غور سے دیکھا تو پنکچر والی گاڑی کا مالک کچھ جانا پہچانا سا لگا۔ جب اس نے آدمی کی جانب توجہ دی تو اسے بے اختیار یاد آ گیا کہ یہ تو اس کا بچپن کا دوست، نواز ہے۔

نیو اے سی کی وجہ سے یخ بستہ ماحول میں اس نے کار کا دروازہ کھولا اور شدید دھوپ اور لُو میں، کسی چیز کی پروا کیے بغیر نواز سے لپٹ گیا۔ نواز کے لیے یہ حیرت انگیز لمحات تھے۔

''نواز بھائی! اس شدید گرمی میں یہاں کیا کر رہے ہو؟ چمچماتی کار کے مالک طارق نے اُس سے بغل گیر ہوتے ہوئے پوچھا۔

''میں..... ایک ضروری کام.....'' نواز نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ تیز لُو کا جھونکا دونوں کو بے حال کر گیا۔

طارق نے جلدی سے اپنی کار کا دروازہ کھولا اور دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کار کے یخ بستہ ماحول میں اوسان بحال ہوئے تو طارق نے اپنے ڈرائیور سے کہا کہ تم کار سے اُتر کر نواز کی گاڑی کا ٹائر تبدیل کر کے ذیشان ہوٹل پہنچو۔ ہماری تمھاری ملاقات وہیں ہو گی۔

ڈرائیور گاڑی سے اُترا تو طارق نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور نواز اُس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی جیسے سٹارٹ ہوئی تو اس نے سڑک پر فراٹے بھرنے شروع کر دیے۔

آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد وہ ذیشان ہوٹل کے یخ بستہ ہال میں وہ ایک دوسرے کے رُوبرُو بیٹھے ہوئے تھے۔

''نواز بھائی! تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے۔ تمھارے والد کا تو بہت بڑا کارخانہ تھا۔ کئی شاندار گاڑیاں تمھارے استعمال میں ہوتی تھیں۔ اب ایک پرانی سی گاڑی، جس کا اے سی تک ٹھیک نہیں، ویران سڑک پر شدید گرمی میں ٹائر پنکچر کی وجہ سے پریشان کھڑے تھے۔'' طارق نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''یہ سب کچھ تو میں بعد میں بتاؤں گا، پہلے تم بتاؤ کہ تمھارے پاس تو سائیکل تک نہیں ہوتی تھی۔ اب نئے ماڈل کی چمچماتی گاڑی میں سفر کر رہے ہو؟'' نواز نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''نواز بھائی! آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد کی کپڑے دھونے والے صابن کی چھوٹی سی

دوکان تھی۔ زندگی بہت مشکل گزر رہی تھی۔ میرے تعلیمی اخراجات، ٹیوشن پڑھانے کی وجہ سے پورے ہو رہے تھے۔ ایف اے کے بعد میرے والد نے مجھے بہت معمولی تنخواہ پر اس صابن فیکٹری میں کلرک بھرتی کروا دیا، جہاں سے وہ صابن خریدا کرتے تھے.....''

طارق کی بات جاری تھی کہ نواز نے جلدی سے کہا: ''صابن فیکٹری میں معمولی کلرک بھرتی ہونے والا آخر چمچماتی گاڑی کا مالک کیسے بن سکتا ہے؟''

''نواز بھائی میں یہی بتانے لگا تھا، میری پوری بات تو سن لو۔'' طارق نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''صابن کے جس کارخانے میں بطور سٹور کلرک بھرتی ہوا، وہاں میں نے دیکھنا شروع کیا کہ کارخانے میں صابن کن اشیاء سے مل کر بنتا ہے۔ تمام چیزوں کی آمد کا رجسٹروں میں حساب رکھتا تھا۔ اس لیے یہ تو معلوم ہو گیا کہ بنیادی طور پر کون سی اشیاء صابن بنانے کے کام آتی ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں بچپن ہی سے دوستوں کا دوست واقع ہوا ہوں۔ اس لیے جو کاریگر مجھ سے صابن کی تیاری کے لیے اشیاء جاری کرواتا تھا۔ اس سے میں نے جلد ہی دوستی قائم کر لی۔ کچھ عرصے بعد اس نے مجھے ان اشیاء کے فارمولے سے آگاہ کر دیا، جن کے ذریعے صابن تیار ہوتا ہے۔'' طارق ذرا رُکا تو نواز نے پوچھا: ''یہ تو ٹھیک ہے کہ تم نے صابن بنانے کا فارمولا کاریگر سے سمجھ لیا، لیکن یہ دولت تمھارے پاس کہاں سے اور کیسے آئی؟''

''میں نے یہ فارمولا والد صاحب کو بتایا تو انھوں نے تمام اشیاء تھوڑی تھوڑی مقدار میں لے کر تجرباتی طور پر صابن بنایا۔ یہ صابن بالکل اسی طرح کا تھا، جو فیکٹری میں تیار ہوتا تھا.....''

''پھر کیا ہوا؟'' نواز نے بے تابی سے پوچھا۔

''پھر یہ ہوا کہ میرے والد، فیکٹری کے مالک کے پاس، اس تیار شدہ صابن کا نمونہ لے کر گئے اور اسے ساری بات بتا دی کہ میرے بیٹے نے آپ کے کاریگر سے صابن بنانے کا فارمولا معلوم کیا تھا اور میں نے تجرباتی طور پر یہ صابن بنایا ہے؟ کیا یہ جرم تو نہیں ہے؟''

فیکٹری کے مالک نے یہ سن کر کہا: ''اگر آپ چوری چھپے کاریگر کے ذریعے چرائے گئے فارمولے کے ساتھ صابن بنانا شروع کر دیتے تو میں پولیس کے ذریعے آپ کو جیل بھجوا دیتا۔ لیکن اب جبکہ آپ نے خود ہی ساری بات بتا دی ہے تو میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ اس فارمولے کو استعمال کر کے جتنا مرضی صابن بنا لیں۔''

فیکٹری کے مالک کی اجازت سے تھوڑی تھوڑی مقدار میں تیار ہونے والے صابن میں بتدریج اضافہ ہونے لگا اور ایک وقت آیا کہ ہم خود بھی ایک صابن فیکٹری کے مالک بن گئے۔ نیک نیتی اور مسلسل محنت کے نتیجے میں آج ہمارے پاس روپے پیسے کی ریل پیل ہے۔ لیکن اس روپے پیسے میں فیکٹری کے مزدوروں اور غریبوں کا بھی حصہ ہے۔ اس لیے ہماری فیکٹری دن دُگنی رات چوگنی ترقی کرتی جا رہی ہے۔'' طارق نے تفصیل سے بتایا۔

یہ سنتے ہی نواز گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ ایسے میں طارق نے نواز سے پوچھا: ''نواز بھائی! کن سوچوں میں گم ہو گئے ہو، کچھ اپنے متعلق بھی تو بتاؤ کہ مال و دولت کے باوجود اس حالت میں کیوں نظر آ رہے ہو؟''

''طارق میاں! مال و دولت کی ریل پیل انسان کا دماغ خراب کر دیتی ہے۔ والد کے اچانک انتقال کے بعد وسیع و عریض کارخانے کا سارا انتظام جب مجھے سنبھالنا پڑا تو پہلے سے زیادہ خودسر ہو گیا۔ کارخانے کے ملازمین کو وجہ بے وجہ ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگا، معمولی معمولی باتوں پر ان کی تنخواہ روک لینا اور کسی کو بلا وجہ ملازمت سے نکال دینا میرا معمول بن گیا۔

ایک بار میں نے بہت ہی محنتی اور دیانت دار ملازم کو معمولی سی بات پر ملازمت سے برطرف کر دیا تو اس ملازم نے رخصت ہوتے ہوئے ایک حدیث نبوی ''مظلوم کی بد دُعا سے بچو'' سنائی۔ میں نے غرور و تکبر میں اس حدیثِ نبوی کی بھی پروا نہ کی.....''

''پھر کیا ہوا؟'' طارق نے بے تابی سے پوچھا۔

پھر یہ ہوا کہ: ''اللہ تعالیٰ کو میرا غرور پسند نہ آیا اور مظلوموں کی بد دعاؤں نے مجھے برباد کر کے رکھ دیا۔ آج نہ وہ کارخانہ میرے پاس ہے اور نہ مال و دولت کی ریل پیل۔ کاش میں غرور و تکبر میں نہ آتا اور مظلوموں کی بد دعائیں لے کر اس حالت تک نہ پہنچتا۔'' نواز غم کے مارے ہچکیاں لے رہا تھا اور ندامت کے آنسو کھانے کی میز کے دبیز کپڑے میں جذب ہوتے جا رہے تھے۔

مسکراہٹیں

نوید اسلام صدیقی

ڈاکٹر اللہ رکھا مرحوم

ڈاکٹر اللہ رکھا مرحوم ایک زمانے میں میرے ہمسائے تھے۔ مرحوم ان کا تخلص نہیں تھا بلکہ انھوں نے یہ لفظ نام کا حصہ محض اس لیے بنا رکھا تھا تا کہ انھیں اور ان کے مریضوں کو موت ہمیشہ یاد رہے۔ مرحوم کے قریبی دوستوں کا کہنا تھا کہ انھوں نے ایم بی بی ایس کی ڈگری اوکاڑہ یونیورسٹی سے لی تھی جو ان کے والد گرامی نے ڈھائی مرلے کی وسیع و عریض عمارت میں قائم کر رکھی تھی۔ ڈاکٹر صاحب مریض کو دیکھتے ہی مرض کا اتا پتا بتا دیتے تھے۔ اس معاملے میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ میری موجودگی میں ایک مریض ان کے پاس آیا، ڈاکٹر صاحب نے ایک نظر اس کو دیکھا اور کہا: ''میرا خیال ہے تم بیمار ہو'' اور پھر انھوں نے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھا کیونکہ وہ شخص واقعی بیمار تھا۔

(عطاء الحق قاسمی)

جیسے کو تیسا

ایک مرتبہ پنڈت برجموہن کیفی نے، جو کسی مجلسِ شعر و سخن میں شریک تھے، اپنے ایک دوست حامد علی خاں صاحب سے ان کے کلام کی فرمائش کی۔ انھوں نے کیفی کے کان کے قریب اپنا منہ لے جا کر کہا ؎

اکہتر، بہتر، تہتر، چوہتر
پچھتر، چھہتر، ستتر، اٹھتر

اس مذاق کی کیفی نے خوب داد دی اور جب خاں صاحب نے ان کے کلام کی فرمائش کی، تو کیفی نے فی البدیہہ اُسی لہجے میں ان کے کان کے پاس منہ لے جا کر کہا ؎

اکیاسی، بیاسی، تراسی، چوراسی
پچاسی، چھیاسی، ستاسی، اٹھاسی

قریب بیٹھے ہوئے حضرات کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو بہت محظوظ ہوئے۔

آج بھی نظروں کے سامنے!

برطانیہ کے مشہور سیاست دان مسٹر لائڈ جارج ایک جلسے میں تقریر کر رہے تھے۔ ان کے مخالف نے درمیان میں آواز کسی: ''زیادہ بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناؤ، ساری دنیا جانتی ہے کہ تمھارا باپ گدھا گاڑی چلایا کرتا تھا۔'' لائڈ جارج نے تقریر جاری رکھتے ہوئے بے ساختہ کہا: ''ہاں بھائی ٹھیک کہتے ہو۔ میرا باپ بھی گزر چکا، پرانے زمانے کی گاڑیاں بھی گزر چکیں لیکن گدھا آج بھی میری نظروں کے سامنے ہے۔''

احمقانہ مشورہ

ایک ڈاکٹر مریض سے ''جب مرض بڑھ چکا ہے تب تم میرے پاس آ رہے ہو پہلے کس ڈاکٹر کے پاس گئے تھے؟''

مریض ''جی ایک حکیم کے پاس گیا تھا۔''

''بھلا حکیم علاج خاک کرے گا۔ خیر یہ تو بتاؤ اس نے کیا احمقانہ مشورہ دیا ہے۔''

''جی اس نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا ہے۔'' مریض نے جواب دیا۔

جب ٹرین سے اترتا ہے

میرے ایک انتہائی قریبی دوست کا کہنا ہے کہ جب کوئی امریکی ٹرین سے اترتا ہے تو سیدھا چلا جاتا ہے۔ جب کوئی برطانوی اترتا ہے تو پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا ہے کہ اپنی کوئی چیز بھول تو نہیں گیا۔ جب سکاچ ٹرین سے اترتا ہے تو دیکھتا ہے کہ کوئی دوسرا اپنی چیز تو بھول نہیں گیا، مگر جب کوئی پاکستانی ان دنوں ٹرین سے اترتا ہے تو دیکھتا ہے کہ کیا واقعی صحیح سلامت ہے اور کپڑے جھاڑ کر دوڑ پڑتا ہے۔

''پارلیمنٹ کی ممبر'' بیوی

شوہر نے بیوی سے کہا: ''تمھیں تو پارلیمنٹ کا ممبر ہونا چاہیے تھا۔'' بیوی نے خوش ہو کر پوچھا: ''وہ کیوں؟'' شوہر نے جواب دیا: ''وہ اس لیے کہ تم بل پیش کرنے میں بڑی ماہر ہو۔''



حضرت مولانا ابوالبرکات احمد رحمہ اللہ مدراسی

مولانا ابوالبرکات رحمہ اللہ کی پوتی کے قلم سے



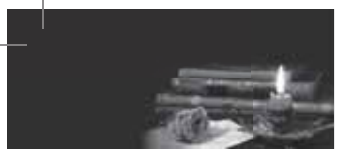
29 جولائی 1991ء کو ایک ایسا چراغ بجھا جس کی کرنیں ابھی تک روشن ہیں اور تعلیم اسلام کے چراغ کو لُو دے رہی ہیں۔ ہاں وہ چراغ جو اپنی زندگی کو قرآن و حدیث کی تعلیم کے لیے وقف کیے ہوئے تھا جس کا اوڑھنا بچھونا قرآن وسنت تھا، جی ہاں وہ میرے دادا ابا جان جن کو لوگ مولانا ابو البرکات احمد کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ چراغ تو بجھ گیا مگر اپنے پیچھے اپنی کرنیں چھوڑ گیا۔ جس سے آج بھی لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں اور جب تک قرآن وسنت کی تعلیم جاری ہے اس سے فائدہ مند ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ

آپ مدراس کے شہر چمناڈ کے نواحی قصبہ ''کاسرگوڈ'' میں 1926ء کو پیدا ہوئے۔ والدین نے آپ کا نام اپنی زبان ''مالے الم'' میں ''سی سی احمد'' رکھا جس کا اردو ترجمہ ابوالبرکات احمد ہے۔

بچپن سے ہی دادا جان کو اسلامی ماحول ملا۔ آپ نے ناظرہ قرآن اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا اور چمناڈ کے ایک مقامی مدرسہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ کو دینی علوم کے حصول کے لیے والدین نے وقف کر دیا تھا۔ آپ کو مولانا محمد عباس کانن گاڈی کی خدمت میں بھیج دیا گیا جہاں تقریبا دو سال صرف ونحو اور علوم عربیہ پڑھتے رہے۔ عربی سے اتنا شغف تھا کہ فارغ اوقات میں بھی عربی ہی کی کتب کا مطالعہ کیا کرتے۔ ذہانت وقابلیت اور انتہائی محنت کی وجہ سے دو سال کے اندر آپ میں اتنا اعتماد پیدا ہو گیا کہ صرف ونحو میں کوئی کتاب پڑھنے کی ضرورت نہ رہی۔ عربیت میں بھی خوب مہارت حاصل ہوگئی۔ سیکڑوں عربی اشعار یاد کر لیے اور کافی حد تک قرآن حفظ کر لیا۔ کیونکہ آپ کے استاد محترم محمد عباس کی عادت تھی وہ نحو و ادب العربی میں یا لغت کے بارے میں قرآن مجید سے شہادت لینے اور دینے کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کے اس انداز کو دادا جان نے بہت پسند کیا جس کی وجہ سے قرآن سے محبت بڑھتی گئی اور آخر تک آپ بھی قرآن سے ہی استشہاد کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ مولانا محمد کانن گاڈی کے مدرسہ میں چلے گئے جہاں آپ نے فقہ شافعی، تفاسیر تفسیر بیضاوی، تفسیر المنار، معالم التنزیل، خازن، کشاف، فتح البیان، ابن کثیر، فتوحات الٰہیہ، الفیہ اور اس کی چاروں بڑی شرحیں اور حواشی، اصول الحدیث پڑھیں، پھر وہیں آپ نے مولانا ابوبکر صاحب سے فقہ شافعی اور صحیح مسلم کا درس بھی لیا۔ اس کے بعد آپ علامہ جادی ایری کی خدمت میں پہنچے۔ یہ ایسے استاد تھے کہ طلبہ سامنے کتابیں رکھ کر بیٹھ جاتے اور وہ چہل قدمی کرتے کرتے اس طرح پڑھاتے جس طرح حافظ وقراء کرام بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھاتے ہیں۔ دادا جان نے ان سے فتح المعین، شرح المحلی، تخریجی مسائل اور فروعی مباحث، کتاب ہدایہ، جامع الجوامع کے علاوہ منطق اور فلسفہ بھی خوب پڑھا۔ یہاں سے علمی ترقی کرتے ہوئے آپ مدراس کے ایک بڑے کالج مدرسۃ العالیہ عربیک کالج میں داخل ہوئے اور یہاں آپ نے بہت علم حاصل کیا۔ کالج کے سربراہ علامہ محمد ابوالصلاح جو کہ خلاصۃ التفسیر کے نام سے لیکچر دیتے تھے۔ ان سے خوب استفادہ کیا۔ کالج سے آپ نے انگلش، اردو اور عربی زبانیں بھی سیکھیں۔ کالج سے تکمیل تعلیم کے بعد آپ کو وہیں استاد مقرر کر دیا گیا اور آپ نے اپنی تعلیم سے فراغت کے

اگلے سال الفیہ ابن مالک، شرح التہذیب، مختصر المعانی، شرح النخبہ، فتح المعین اور شرح المنہاج للمحلی وغیرہ پڑھانی شروع کی۔ اس سے آپ کے ذوق علم کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے اساتذہ نے اسی کالج میں اگلے ہی سال آپ کو بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کے لیے دے دیں۔ اس کے بعد دادا جان مزید پڑھنا چاہتے تھے اور مصر کی یونیورسٹی جامعہ ازہر میں جانے کا ارادہ کیا مگر ویزہ نہ ملنے کی وجہ سے نہ جا سکے۔ آپ کو اس بات کا بہت دکھ تھا، پھر آپ ہندوستان کے مطالعاتی دورہ میں نکلے۔ راقم آپ کے پاس موجود تھی۔ آپ حیدر آباد دکن، متحدہ بنگال، یو پی اور بہار وغیرہ صوبوں کا سفر کرتے ہوئے دہلی پہنچ گئے اور وہاں غرباء اہل حدیث کے جامعہ ستاریہ میں تعلیم کی دہرائی کرتے ہوئے دوبارہ صحیح بخاری پڑھی اور جامعہ ازہر قاہرہ کے لیے ویزہ کھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ پاکستان معرض وجود میں آ گیا، اب مدراس کی طرف جانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لیے آپ ایک قافلہ کے ساتھ پاکستان کی سرزمین میں پہنچ گئے۔ اس کے بعد آپ نے پھر کوشش کی کہ دوبارہ والدین کے سایہ عاطفت میں چلا جاؤں۔ اس سلسلہ میں چمناڈ کے ایک ایم۔ این۔ اے کی وساطت سے آپ کے والدین نے حکومت کو درخواست دی کہ ہمارا بیٹا پاکستان میں پھنس گیا ہے۔ اسے انڈیا آنے کی اجازت دی جائے۔ بھارتی حکومت اس بات سے ڈر گئی کہ ضرور یہ مسلمانوں کا کوئی سیاسی لیڈر ہوگا، چنانچہ درخواست مسترد کر دی گئی۔ جب مدراس واپس جانے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو دادا جان کی نظر مدرسہ اوڈانوالہ کی طرف گئی اور آپ نے وہاں کا رخت سفر باندھا۔ وہاں جا کر خود نمائی نہیں کی کہ میں اتنا کچھ پڑھ کر آیا ہوں بلکہ جناب امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہ کی زیر نگرانی اور مولانا محمد یعقوب صاحب سے صحیح بخاری دوبارہ پڑھی۔ اسی دوران ایک اہل حدیث عالم دین نے ایک حنفی عالم کو سوالنامہ بھیجا جس کا جواب حنفی عالم نے چیلنج کی شکل میں عربی زبان میں لکھا۔ جامعہ کے اساتذہ نے وقت کی قلت کا عذر کر دیا، چنانچہ یہ طے ہوا کہ محدث محمد گوندلوی کی خدمت میں بھیجا جائے اور جواب حاصل کیا جائے۔ دادا جان نے عرض کیا کہ یہ مجھے عنایت کیا جائے میں اس کا جواب لکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو آپ نے بیس صفحات پر مشتمل عربی زبان میں جواب لکھا اور حنفی عالم کی عربی زبان کی بہت ساری غلطیاں بھی نکالیں۔ حنفی عالم یہ کہہ کر جواب دینے سے انکاری ہو گیا کہ یہ تو پوری کتاب ہے۔ اس کا جواب کون لکھے۔ تو اس کارنامہ کی وجہ سے مولانا صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ نے آپ کو خاص شفقت دی اور آپ کو بیٹوں کی طرح رکھا۔ اوڈانوالہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے سنا کہ گوجرانوالہ میں حضرت الحافظ محدث محمد گوندلوی کی شکل میں علم و عمل کا سرچشمہ تشنگان علم کی پیاس بجھا رہا ہے۔ آپ صوفی محمد عبداللہ سے اجازت لے کر گوجرانوالہ، ٹاہلی والی مسجد میں حافظ محدث محمد گوندلوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحیح بخاری کا سماع کیا۔ صحیح بخاری مکمل ہونے پر دلی آرزو تھی کہ تدریس کا موقع دیا جائے مگر زبان سے مسند تدریس نہیں مانگی جبکہ محدث گوندلوی چاہتے تھے کہ دادا ابو ان سے مسند تدریس کے طلب گار ہوں۔ دادا ابو نے دوبارہ اگلے سال بخاری شریف کا سماع کیا۔ اگلے سال بھی تدریس کا موقع نہ ملا تو غریب دیاری میں دادا جان نے لاہور انارکلی میں جا کر ٹوپیوں کی تجارت شروع کر دی۔ اور اپنے استاد صوفی محمد عبداللہ کو خط لکھ کر سارے حالات سے آگاہ کیا۔ آپ کے حالات جان کر صوفی محمد عبداللہ صاحب سخت ناراض ہوئے اور تعلیم کے ضائع ہونے کی تنبیہ کی اور فوراً اپنے پاس آنے کا کہا۔ دادا جان کے دل میں خیال آیا کہ میں جاتے ہوئے اپنے استاد محدث زماں حافظ محمد گوندلوی سے مل لوں ان سے ملنے گئے اور عرض کیا: مجھے صوفی صاحب نے تدریس کے لیے بلایا ہے۔ محدث گوندلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: صوفی صاحب سے میں خود بات کر لوں گا۔ آپ یہیں پڑھائیں وہاں نہ جائیں۔ چنانچہ آپ 1950 کو جامعہ اسلامیہ کی مسند تدریس پر فائز ہوئے اور تن من سے اسی کی آبیاری کے لیے وقف ہو گئے۔ اس اثنا میں نوشہرہ روڈ گوجرانوالہ پر ایک انتہائی صالح بزرگ نوردین تھے۔ یہ گھر گھر جا کر مستقبل کی ماؤں کو قرآن و سنت کی تعلیم دیتے اور کھانے کے وقت کسی کے گھر سے کھانا نہ کھاتے۔ جیب سے روٹی اور اچار نکال کر کھا لیتے اور شام کو محلے کے لڑکوں کو تعلیم دیتے اور صابن بنا کر روزگار چلاتے۔ یہ بزرگ دادا جان کو داماد بنانے پر آمادہ ہو گئے اور نوشہرہ روڈ پر واقع ملک لال خاں والی مسجد میں آپ کا نکاح مولانا محمد علی لاہوری نے پڑھایا اور اس طرح آپ کا گوجرانوالہ کی سرزمین سے ایک مضبوط تعلق قائم ہو گیا اور اپنا گھر مل گیا۔

اور محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب کے جامعہ محمدیہ دال بازار تشریف لے جانے پر جامعہ اسلامیہ کا کلی انتظام انتظامیہ نے آپ کے ذمہ



لگا دیا۔ 1956ء میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد معرض وجود میں آیا۔ 2 سال بعد دادا جان کو جامعہ میں پڑھانے کی دعوت دی گئی کہ آپ کو وہاں جامعہ اسلامیہ سے دوگنا زیادہ وظیفہ دیں گے۔ آپ کو پیسوں سے دلچسپی نہ تھی۔ آپ کو خدمت دین کا شوق تھا۔ اس کے علاوہ ملک کے دیگر مدارس سے بھی تدریس کی آفر ہوئی حتیٰ کہ مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ سے بھی آفر آئی۔ آپ نے یہ کہہ کر کہ اگر مقصد تدریس علوم دینیہ ہے تو میں الحمدللہ یہاں کر رہا ہوں اور اس کی یہاں دیگر جگہوں سے زیادہ ضرورت ہے۔ کوئی آفر قبول نہ کی اور تادم حیات جامعہ اسلامیہ ہی میں تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور اپنی زندگی کا آخری سبق بھی اسی مدرسہ میں پڑھایا۔ جس کے بعد آپ کی صحت سنبھل نہ سکی۔ دادا جان کو دل کی تکلیف اور شوگر تھی جس کی وجہ سے آپ کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی۔ جب آپ کی صحت زیادہ خراب ہوتی اور دوسرے استاد آپ کے اسباق پڑھاتے تو آپ ان کو بلا کر اپنی تنخواہ ان کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے کہ آپ نے میری غیر موجودگی میں میرے اسباق پڑھائے ہیں اس لیے اس تنخواہ پر آپ کا حق ہے مگر اساتذہ احترام وسعادت کی بنا پر بے احد اصرار کر کے آپ سے تنخواہ نہ لیتے۔

دادا جان اپنے استاد محترم کا بے حد احترام کرتے۔ آپ کے استادِ محترم محدث زماں حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے اپنی ناسازی طبع کی وجہ سے فتویٰ لکھنے کا منصب اپنی زندگی میں ہی دادا جان کو دے دیا تو دادا جان نے اس بات کو مدّنظر رکھتے ہوئے کہ استاذ محترم کے دل پر کوئی غم کا سایہ نہ آئے۔ آپ ہر سائل فتویٰ کو اس بات کا پابند کر دیتے کہ میرے فتویٰ کو محدث گوندلوی رحمہ اللہ سے تصدیق کروا کر لے جاؤ۔ کوئی فتویٰ حافظ محدث محمد گوندلوی کی تصدیق کے بغیر نہ جانے دیتے۔

آپ کے تلامذہ

آپ کے شاگردوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ آپ کے بہت سارے تلامذہ آپ کی زندگی میں ہی مختلف مدارس میں بحیثیت مفتی اور شیخ الحدیث اپنے فرائض سر انجام دے رہے تھے۔ آپ کے چند نمایاں اور معروف ومشہور تلامذہ مندرجہ ذیل ہیں:

❁ شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ سیالکوٹ ❁ شیخ الحدیث حافظ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ فیصل آباد ❁ شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم رحمہ اللہ گوجرانوالہ ❁ شیخ الحدیث ابو تقی حفیظ الرحمٰن لکھوی حفظہ اللہ لاہور ❁ شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ صادق آباد ❁ شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد الیاس اثری حفظہ اللہ گوجرانوالہ ❁ شیخ الحدیث مولانا محمد امین محمدی حفظہ اللہ گوجرانوالہ ❁ شیخ الحدیث مولانا حافظ سید محمد اکرم گیلانی رحمہ اللہ گوجرانوالہ ❁ شیخ الحدیث مولانا فاروق احمد راشدی حفظہ اللہ گوجرانوالہ ❁ شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام حفظہ اللہ کوٹ بھوانی داس ❁ حکیم مولانا ادریس فاروقی سوہدروی رحمہ اللہ ❁ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ ❁ حضرۃ العلامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ ❁ مولانا میاں محمد جمیل حفظہ اللہ لاہور ❁ مولانا حافظ عباس انجم گوندلوی حفظہ اللہ گوجرانوالہ ❁ مولانا حافظ احمد شاکر حفظہ اللہ لاہور ❁ مولانا عبدالستار حامد حفظہ اللہ وزیر آباد ❁ مولانا محمود احمد میر پوری رحمہ اللہ ❁ مولانا قاضی عبدالرشید حفظہ اللہ جہلم ❁ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ ❁ مولانا محمد مدنی رحمہ اللہ جہلم ❁ مولانا محمد ذوالفقار ذکی حفظہ اللہ ❁ مناظر اہل حدیث مولانا شمشاد احمد سلفی حفظہ اللہ نارنگ منڈی ❁ مولانا عبدالرحمٰن عتیق حفظہ اللہ وزیر آباد ❁ مولانا احسان الحق شہباز حفظہ اللہ قلعہ دیدار سنگھ

ان کے علاوہ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے جو اندرون، بیرون ملک دین کا کام کر رہے ہیں۔ کئی تلامذہ دادا ابا جان کے پیچھے وفات پا چکے ہیں۔ دادا جان اپنی اولاد کی طرح شاگردوں سے محبت وشفقت کرتے تھے۔ اور ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کو بھی مدنظر رکھتے تھے۔

بہت افسوس اور حسرت ہوتی ہے (شاید تقدیر میں ایسا ہی تھا) دادا جان کی بہت ہی زیادہ کمی محسوس ہوتی ہے۔ جب آپ کے حالات زندگی پڑھتے ہیں، آپ کی باتیں ابو جان اور امی جان سے سنتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنی جلد دادا جان کو ہم سے دور لے گیا۔ مگر فطرۃ اللہ سے فرار ممکن نہیں۔ دنیا میں کسی شخصیت کو ہمیشہ رہنا ہوتا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کتب احادیث میں گونجتی یا ابتاہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صدا ہمیں سنائی نہ دیتی اور آج ہم بھی صحابی رسول کہلاتے۔ اللہ دادا جان کی بشری لغزشوں سے صرف نظر فرماتے ہوئے ان کی بخشش فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کا باغیچہ بنائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ہمیں (ان کے بیٹے بیٹیوں پوتے پوتیوں نواسے نواسیوں) اور ان کے تلامذہ کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔



دیس بدیس

ابوالفیصل

سعودی عرب کا دارالحکومت

سعودی عرب کا شہر ''ریاض'' مملکت سعودی عرب کا دارالحکومت اور جدید طرز پر قائم کیا جانے والا ایک انتہائی خوبصورت شہر ہے۔ ریاض عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا عربی تلفظ یہاں مقامی طور پر ''الریاض'' کیا جاتا ہے جس میں ''ل'' ساکت ہے۔ لفظ الریاض کا انگریزی ترجمہ Orchards ہے جس کے معنی ''نخلستان'' کے ہیں۔ نخلستان صحرا کے درمیان اس علاقہ کو کہتے ہیں جہاں سبزہ اور پانی موجود ہو۔ ریاض کی تاریخ سو سال پرانی ہے جس کا سلسلہ ''عثمانی'' اور ''رشیدی'' خاندانوں کے دور حکومت سے جا ملتا ہے۔ یہ خطہ زمانہ قدیم میں ''نجد'' کے نام سے مشہور تھا اور اس پورے خطہ میں الریاض کا علاقہ سب سے زیادہ سرسبز و شاداب تصور کیا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ اسے ''الریاض'' یعنی درختوں کے جھنڈ والا علاقہ کہا جانے لگا۔

یہ شہر جزیرہ نمائے عرب کے وسط میں واقع ہے جس کے اطراف میں دو مشہور وادیاں وادی حنیفہ اور وادی بطحا موجود ہیں۔ آج اس شہر کو دنیا کے چند ترقی یافتہ اور جدید ترین شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ 1995ء میں تمام اہم سرکاری دفاتر اور وزارتوں کو ریاض منتقل کر کے ریاض کو عالمی شہر کے طور پر متعارف کرایا گیا۔ ریاض شہر کی شاہراہیں اور ان پر دوڑتی جدید ترین ماڈلز کی رنگ برنگ گاڑیاں، یہاں کی خوبصورت و جاذب نظر عمارتیں اور برقی قمقموں سے جگمگاتے جدید طرز کے شاپنگ سنٹرز، جدید ترین اور تمام طبی سہولتوں سے آراستہ ہسپتال، مہنگے ترین اور دور جدید کے تقاضوں کے مطابق تعمیر کیے گئے فائیو سٹار ہوٹلز، یہ تمام چیزیں یہاں کی ترقی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ریاض شہر کا مشہور و معروف رنگ روڈ (طریق الدائری)، یہاں کی بالائی گزرگاہیں اور زیرزمین راستے، دنیا بھر میں اپنی مثال آپ ہیں۔ شہر ریاض نہ صرف جدید ترین عمارتوں اور شاپنگ سینٹرز کی وجہ سے شہرت کا حامل ہے بلکہ تجارتی طور پر بھی یہ شہر سعودی عرب کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔

سیاچن، جنگلی گلاب

سیاچن قراقرم کے سلسلہ ہائے کوہ کے شمال مشرقی درہ سالتورو کے عین شمال اور بلتستان کے ضلع گانچھے کے گشر بروم سب ڈویژن میں واقع ایک برفانی گلیشیر ہے۔ یہ تقریباً 20 سے 22 ہزار فٹ کی بلندی پر واقع دنیا میں سب سے طویل گلیشیر ہے۔ اس کی چوڑائی مختلف مقامات پر 2 سے 8 کلو میٹر تک ہے۔ اس علاقے میں جنگلی گلاب بکثرت پیدا ہوتے تھے جس کے سبب یہاں کے باسیوں نے اس کا نام سباقن رکھ دیا تھا جس کا مطلب ہے گلاب کی جھاڑی والا۔ یہ جھاڑیاں غیر برفانی علاقے میں اب بھی موجود ہیں۔ سباقن سے یہ نام مسلسل استعمال کے بعد سیاچن ہو گیا۔

سیاچن تبتی گلیشیر ہے جہاں نہ تو گھاس کے میدان اور نہ کسی قسم کی لکڑی پائی جاتی ہے۔ سیاچن گلیشیر کی شکل وہیل مچھلی سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے کئی گلیشیائی ندیوں اور تندوتیز بستہ دریاؤں کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ یہاں بے شمار شفاف جھیلیں ہیں جو اس گلیشیر کے حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔ یہاں بلند و بالا پہاڑوں میں گھری ہوئی وادیاں ہیں جن پر صدیوں سے برف کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ برف باری سالہا سال جاری رہتی ہے۔ یہاں ہوا کی رفتار 30 سے 50 میل فی گھنٹہ ہوتی

ہے۔ یہ ہوا اس قدر خشک اور سرد ہوتی ہے کہ لمحوں میں ہونٹ خشک ہو کر تڑخنے لگتے ہیں۔ یہاں برف پر پڑنے والی سورج کی شعاعیں آنکھوں کی بینائی کو متاثر کرتی ہیں یہ بنفشی شعاعیں (الٹرا وائلٹ) جسم کے جس حصے پر پڑتی ہیں وہ حصہ جل جاتا ہے۔ یہاں موت کی سب سے بڑی شکار گاہ برفانی دراڑوں کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ یہ دراڑیں بہت گہری اور لمبی ہوتی ہیں۔ ان کے درمیان گرنے والے کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں گیا۔

مراکش کا شہر: فاس

بحر ظلمات کے اس پار برادر اسلامی ملک مراکش کا شہر فاس (Fez) مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ وہی بحر ظلمات (بحر اوقیانوس) ہے جس کے بارے میں الف لیلوی داستانوں میں ذکر ہے کہ اس سمندر سے آگے دنیا ختم ہو جاتی ہے۔ مراکش کا شہر فاس دستکاروں، فن تعمیر کے ماہرین، مساجد، علمی درسگاہوں، ریاضی اور علمِ ہندسہ میں مہارت رکھنے والے مسلمانوں کا شہر ہے۔ یہاں کے رہنے والے خط نسخ، فن تعمیر میں مینا کاری اور کندہ کاری کے علاوہ علم الاعداد کے موجد بھی ہیں۔

ہم جس پھندنے والی ٹوپی کو تر کی ٹوپی کہتے ہیں یہ دراصل مراکشی ٹوپی ہے اور انھی کی ایجاد ہے۔ یہاں کے لوگ نہایت محنتی، ذہین اور تخلیقی صلاحیتوں کے ماہر ہیں۔ یہاں عربی کے علاوہ فرانسیسی بھی بولی جاتی ہے اور درس گاہوں میں مذہبی علوم کے علاوہ دیگر جدید علوم فرانسیسی زبان میں پڑھے جاتے ہیں۔

فاس کا شہر آج بھی صدیوں پرانی روایات کے ساتھ پورے جاہ و جلال سے قائم اور دائم ہے۔ یہاں کے فن کاروں کے قدر دان دنیا بھر میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں کے ڈیزائن اتنے مقبول ہیں کہ فلوریڈا، پیرس، کویت، ابوظہبی، عمان غرضیکہ ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں عمارتوں کی زیبائش کا فن جسے عام طور پر ملتانی آرٹ کہا جاتا ہے، یہ بھی مراکشی ڈیزائن ہے۔

اس شہر کا پرانا حصہ بڑے بڑے ہال کمروں اور محلات پر مشتمل ہے جو شکست و ریخت کا شکار ہیں۔ یونیسکو نے اس علاقے کے چند حصوں کو محفوظ کر لینے کے قابل قرار دیا ہے۔ پرانا فاس ایک ایسا شہر ہے جہاں اپنی روایات اور قوانین ہیں یہاں جا کر اندازہ ہوتا ہے کہ انسان صدیوں پہلے کے وقت میں پہنچ گیا ہے۔ یہاں تین سو کے قریب مساجد اور مدارس ہیں جہاں دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ پرانا شہر آٹھویں صدی کا منظر پیش کرتا ہے۔

یہ شہر ہمیشہ سے ہنرمندوں اور کاریگروں کا شہر کہلاتا ہے تاہم عمارتوں میں محفوظ سارے کام کے باوجود یہ فن زوال پذیر ہے کیونکہ آج یہ کام دارالبیضاء (کاسابلانکا) کی کسی فیکٹری یا گاؤں میں سستا اور آسانی سے دستیاب ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صدیوں پرانا شہر فاس ایک روز عجائب خانہ کی شکل اختیار کر جائے گا کیونکہ یہاں کے سناروں، برتن بنانے والوں اور مینا کاری اور کندہ کاری کے ماہرین کی صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا۔



اخبارِ جہاں

پاکستان میں ابتدائی تعلیم کی صورت حال

وطن عزیز میں چھ عشرے گزرنے کے بعد بھی تعلیم اب بھی حکومتی ترجیحات کا حصہ نہیں بن سکی ہے۔ پاکستان کا شمار ان ممالک میں ہوتا ہے جہاں پرائمری عمر کے بچوں کی بڑی تعداد اسکولوں سے باہر ہے۔ یونیسکو کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا کے کل اسکولوں سے باہر بچوں میں سے 10.7 فی صد پاکستانی بچے ہیں۔ یوں دنیا میں بنیادی تعلیم سے محروم ہر نواں بچہ پاکستانی ہے جبکہ غریب گھرانوں کے 49 فی صد بچے پرائمری تعلیم سے محروم ہیں۔ آؤٹ آف سکول بچوں کی تعداد کے اعتبار سے پاکستان دنیا میں دوسرے نمبر پر جبکہ جنوبی ایشیا میں پہلے نمبر پر ہے۔ سرفہرست ملک نائیجیریا ہے جہاں 86 لاکھ 50 ہزار بچے آؤٹ آف سکول ہیں۔ پاکستان میں سکولوں سے باہر بچوں کی تعداد 72 لاکھ 61 ہزار ہے جبکہ ان میں 58 فی صد لڑکیاں ہیں۔



9/11 کے بعد پاکستان میں بم دھماکے

امریکہ میں نائن الیون واقعے کے بعد پاکستان میں اب تک 3322 دھماکے ہوئے جن میں سے 277 خودکش دھماکے تھے۔ دھماکوں میں 30 ہزار سے زائد جاں بحق ہوئے۔..... نائن الیون سے پہلے صرف ایک خودکش دھماکہ ہوا تھا۔

پاکستان میں توانائی کا بحران

پاکستان کو توانائی کے بحران پر قابو پانے کے لیے مخلص قیادت اور دور اندیشانہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں پانی سے بجلی پیدا کرنے کے چھوٹے چھوٹے اڑھائی سو سے زیادہ مقامات ہیں۔کوئلہ سے بجلی اور گیس بنائی جا سکتی ہے۔کوئلے سے ڈیزل بھی بنایا جا سکتا ہے۔

پاکستان دنیا کے ان چند ممالک میں سے ایک بڑا ملک ہے جہاں سال کے 365 دن سورج پوری آب و تاب سے چمکتا ہے۔شمسی توانائی سے ہم ہزاروں میگا واٹ بجلی حاصل کر سکتے ہیں۔ بلوچستان اور سندھ کے ساحلی علاقوں پر بے شمار ایسے مقامات ہیں جہاں ہوائی چکیوں سے سیکڑوں میگا واٹ بجلی مہیا کی جا سکتی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ دو ہزار میگا واٹ بجلی ہم ہوائی چکیوں سے حاصل کر سکتے ہیں۔چین نے ہوائی چکیاں مہیا کرنے کی پیشکش کئی دفعہ کی ہے لیکن افسوس کہ اس پیش کش کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

فوجی اکیڈمیوں میں امریکہ نواز طرز تعلیم

امریکی حکومت نے حکومت پاکستان پر زور دیا ہے کہ اپنے عسکری اداروں جن میں نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی بھی شامل ہے،امریکہ مخالف طرز تعلیم کو مکمل طور پر ختم کیا جائے اور ملک کی فوجی اکیڈمیوں میں امریکہ نواز طرزِ تعلیم رائج کیا جائے تا کہ عسکری افسران میں امریکہ کے خلاف خیالات اور احساس کم ہو سکے۔ پاکستان کے فوجی انسٹرکٹروں کو تربیت کے لیے امریکہ بھیجا جائے گا۔

بھگت سنگھ ''شہید''

نئی نسل کو گمراہ کرنے کے لیے ہر طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے۔گزشتہ چند سالوں سے بھگت سنگھ کو قومی ہیرو کے طور پر بیانات اور مضامین میں پیش کیا جا رہا ہے۔ لاہور میں الحمرا ہال میں ایک ڈرامہ ''بھگت سنگھ'' کے نام سے پیش کیا گیا ہے۔ ڈرامے کے دوران ہال زندہ باد کے نعروں سے گونجتا رہا۔معلوم ہوا ہے کہ شادمان کے جس چوک کی جیل میں اسے پھانسی دی گئی تھی وہاں ہر سال اس کی یاد میں چراغ جلائے جاتے ہیں اور اس کے قدر دانوں نے اس چوک کا نام ہی ''بھگت سنگھ شہید چوک'' رکھ دیا ہے۔

پاکستان بدامنی کے لحاظ سے دنیا میں 5 ویں نمبر پر آ گیا

دہشت گردی کے خلاف جنگ میں فرنٹ لائن اسٹیٹ اور خودکش حملوں، دہشت گردی میں گھرا پاکستان بدامنی کے لحاظ سے دنیا میں 5 ویں نمبر پر آ گیا ہے۔ جبکہ امن کے حوالے سے 149 ممالک میں سے پاکستان کا نمبر 145 واں ہے۔ دہشت گردی کے حوالے سے اس وقت جنگ سے متاثرہ ملک عراق سرفہرست ہے جبکہ صومالیہ، افغانستان، سوڈان اور پاکستان بالترتیب دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں نمبر پر ہیں۔

جی ایٹ گروپ کی لیبیا کے معاملے میں بے جا مداخلت

جی ایٹ گروپ نے کہا ہے قذافی اقتدار چھوڑ دیں۔ جی ایٹ گروپ بنیادی طور پر آٹھ ملکوں کی باہمی تجارت کو ترویج و ترقی دینے کے لیے معرض وجود میں آیا تھا اور اس کے مقاصد خالصتاً تجارتی بنیادوں پر متعین کیے گئے، اب اس تجارتی گروپ کا یہ کہا اپنے دائرہ کار سے خروج ہے کہ وہ کہے قذافی اقتدار چھوڑ دیں، ایک آزاد خودمختار ریاست کے اندرونی معاملے میں اس قدر دریدہ انداز سے مداخلت کسی طور پر بھی مناسب قرار نہیں دی جا سکتی۔

مفت حاصل کریں

ماہِ رمضان المبارک کی مناسبت سے ایک کتابچہ ''ہم نے آج تراویح میں کیا پڑھا'' تراویح کے دوران روزانہ پڑھے جانے والے قرآن کریم کے حصے کا خلاصہ۔خواہش مند خواتین وحضرات کم از کم 51 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیجیں۔

ڈاکٹر ممتاز عمر T-473 کورنگی نمبر 2،

کراچی۔ 74900